مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

مدیر مسئول
(مولانا) مشرف علی تھانوی

ماہنامہ
الامداد
لاہور پاکستان

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۱۹ | شوال ۱۴۳۹ھ | جولائی ۲۰۱۸ء | شمارہ ۷

التیسیر للتیسیر

دین اور دنیا کے کاموں میں آسانی

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے زرسالانہ =/۴۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

۳۵۴۲۲۲۱۳
۳۵۴۳۳۰۴۹

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) مشرف علی تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

التیسیر للتسییر
(دین اور دنیا کے کاموں میں آسانی)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱.......	تمہید..	۹
۲.......	پریشانی کی دو اقسام..	۱۱
۳.......	ہر مسلمان صاحب طریقت ہے..	۱۲
۴.......	ادنیٰ درجہ کی قدر..	۱۲
۵.......	کونسی پریشانیاں خیر ہیں..	۱۳
۶.......	کونسی پریشانی کا سر لینا مجاہدہ نہیں..	۱۳
۷.......	حکایت عامل بالحدیث..	۱۴
۸.......	صرف ترجمہ دیکھنا کافی نہیں..	۱۵
۹.......	عورتوں کا مضامین اور غزلیں اخبار میں شائع کرانا بے حیائی ہے..	۱۶
۱۰.......	حدیث توکل کا مفہوم..	۱۶
۱۱.......	تقدیر کے اعتقاد کی برکت..	۱۷
۱۲.......	ہر پریشانی محمود نہیں..	۱۸

۱۳....... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد........................ ۲۰
۱۴....... احکام تشریعیہ اور احکام تکوینیہ انسانی قوت سے زائد نہیں........................ ۲۱
۱۵....... دین میں ذرا تنگی نہیں........................ ۲۲
۱۶....... شریعت کو تنگی کا الزام دینے کی مثال........................ ۲۳
۱۷....... احکام شرعیہ پر غصہ آنے کی مثال........................ ۲۴
۱۸....... مصیبت اور غم کے وقت تعلیم شریعت........................ ۲۶
۱۹....... طبعی غم کی حکمتیں........................ ۲۸
۲۰....... پریشانی کی جڑ رنج عقلی ہے........................ ۲۹
۲۱....... بعد از موت مرحومین سے ملاقات........................ ۳۰
۲۲....... زبان سے کہنے کا زیادہ اثر........................ ۳۲
۲۳....... وسوسہ ریا ریا نہیں........................ ۳۳
۲۴....... وسوسہ ریا کی عجیب مثال........................ ۳۴
۲۵....... شیطان کی مثال........................ ۳۴
۲۶....... نفس کے حقوق........................ ۳۷
۲۷....... تکثیر عمل کا طریقہ........................ ۳۷
۲۸....... عبدیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کمال.. ۳۸

۲۹.......	حکایت حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندیؒ................	۳۸
۳۰.......	قلب کو نماز میں پابند کرنے کی کوشش کی ضرورت....	۴۲
۳۱.......	حکایت حضرت احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ................	۴۲
۳۲.......	نماز میں گرانی دور کرنے کا طریق................	۴۳
۳۳.......	خشوع قلب حاصل کرنے کا طریق................	۴۴
۳۴.......	نماز عصر فرض کرنے میں حکمت................	۴۷
۳۵.......	شریعت، اللہ تعالیٰ کی ہے................	۴۸
۳۶.......	لیڈران قوم کی احکام شریعت سے بے خبری...........	۴۸
۳۷.......	فقہاء اور صوفیاء حکماء امت ہیں................	۵۰
۳۸.......	حکیم کا معیار................	۵۱
۳۹.......	احکام معاشرت آسان تر ہیں................	۵۲
۴۰.......	فاتحہ تیجہ، چالیسواں کے فضول ہونے کی دلیل........	۵۴
۴۱.......	شریعت میں مہمانی بھی سستی ہے................	۵۴
۴۲.......	شریعت کا حکم استیذان بڑی راحت ہے.............	۵۶
۴۳.......	مساواتِ شریعت................	۵۷
۴۴.......	اہل یورپ عورتوں کی مساوات سے تنگ ہیں........	۵۸
۴۵.......	پرسکون زندگی صرف شریعت پر چلنے سے نصیب ہوگی...	۵۹

۴۶....... اہل سلوک کی چند غلطیاں........................... ۶۰

۴۷....... تفویض کی ضرورت................................ ۶۱

۴۸....... حکایت حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ ۶۳

۴۹....... نیت رضائے حق................................. ۶۴

۵۰....... خلاصہ وعظ.................................... ۶۵

۵۱....... دفع اشکال.................................... ۶۶

وعظ

التیسیر للتسییر

(دین اور دنیا کے کاموں میں آسانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم. اما بعد

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے اس وعظ میں تفصیل سے حکایات اور مثالوں سے واضح کیا ہے کہ احکام دین میں تنگی نہیں مشقت ہماری اپنی پیدا کردہ ہے۔ شریعت کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہونا بہت آسان ہے جس کا طریقہ اتباع علماء اور مشائخ کی صحبت ہے۔

یہ وعظ ۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۷ھ بمقام جامع مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حضرت والا نے منبر پر بیٹھ کر ۳ گھنٹہ ارشاد فرمایا، سامعین کی تعداد تقریباً پچاس تھی جس کو مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم بند کیا۔

اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۹۔۱۔۲۰۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۙ‏ ○ وَّالۡخَيۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالۡحَمِيۡرَ لِتَرۡكَبُوۡهَا وَزِيۡنَةً ؕ وَيَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾(۱)

تمہید

یہ وہ آیت ہے جس کے متعلق دس روز پہلے کچھ بیان کیا گیا تھا اور آیت کی تفسیر بیان کرنے کے بعد چند فوائد زائدہ کا بھی بیان ہوا تھا مگر بعد ختم بیان کے ایک خاص فائدہ کی تفسیر اس آیت کے متعلق ذہن میں آئی تھی جس کے بارے میں اول یہ ارادہ ہوا کہ اسی دن دوسرے وقت بیان کردی جائے۔ مگر وعظ ضبط(۲) کرنے والے وقت پر نہ آسکے اس لیے پھر یہ قصد ہوا(۳) کہ نظر ثانی میں اس کو

(۱) ”اور وہ تمہارے بوجھ بھی ایسے شہر کو لیجاتے ہیں جہاں تم بدوں جان کو محنت میں ڈالے ہوئے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ واقعی تمہارا رب پیدا کیے تا کہ تم ان پر سوار ہو اور نیز زینت کے لیے بھی اور وہ ایسی چیزیں بناتا ہے جن کی تم کو خبر بھی نہیں“ النحل:۱۶/ ۷، (۲) لکھنے والے (۳) ارادہ۔

بڑھا دیا جائے گا۔ چنانچہ یادداشت میں لکھ لیا گیا تھا مگر ابھی پہلے بیان پر نظر ثانی کی بھی نوبت نہ آئی تھی کیونکہ وعظ کی تسوید اجمالی کے بعد تسوید تفصیلی میں کچھ تاخیر ہو جاتی ہے اور تسوید تفصیلی کے بعد میری نظر ثانی بھی فوراً نہیں ہوتی (۱) بلکہ نظر ثانی میں اہم اور اقدم کو مقدم کیا جاتا ہے (۲) اس لیے اس وعظ پر نظر ثانی ہنوز (۳) نہ ہوئی تھی کہ دوسرے وعظ کی تحریک ہوئی جس کے جواب میں اول تو میں نے عذر کیا اور عذر کی وجہ یہ تھی کہ کوئی خاص مضمون ذہن میں نہ تھا اور یوں تو تمام مضامین شریعت نافع ہیں (۴) مگر مجھے نفع قریب کا اہتمام رہتا ہے جو وقتی ضرورت کا ہو دور دراز کے نفع کے لیے وقت صرف کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اور مضمون درخواست کے وقت ذہن میں حاضر نہ ہوا تھا جو اس آیت کے متعلق پہلے بیان میں رہ گیا تھا اس لیے میں نے دوسرے وعظ سے عذر کیا پھر اس شرط کے ساتھ منظور کیا کہ اگر کوئی مضمون ذہن میں آ گیا تو بیان کردوں گا پھر شام کو خیال آیا کہ وہ فائدہ جو رہ گیا ہے اس کو بیان کر دیا جائے نہ محض اس واسطے کہ اس وعظ کی تتمیم (۵) ہو جائے کیونکہ اس کی صورت یہ بھی ممکن تھی کہ نظر ثانی میں اس کو اضافہ کر دیا جاتا بلکہ اس واسطے کہ وہ مضمون فی نفسہ بہت ضروری ہے کیونکہ اس کے مستحضر (۶) نہ ہونے سے ہمارے بھائیوں کی پریشانی بڑھ رہی ہے اور شاید بعض لوگ سمجھتے ہوں گے کہ پریشانی کا

---

(۱) حضرت تھانویؒ جب وعظ فرماتے تو ایک صاحب اس کو نقل کرتے کیونکہ اس زمانہ میں ٹیپ رکارڈر نہیں تھا پھر اس کو صاف کر کے لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کرتے اور حضرت اسکو بنظر غائر پڑھ کر اس کی اصلاح فرماتے اس کے بعد وعظ چھپتا تھا حضرت تھانویؒ کی وصایا میں لکھا ہوا ہے کہ جس وعظ پر میری نظر ثانی نہ ہو اس کو طبع نہ کیا جائے حضرت نے اپنے چند خلفاء کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں کہ اگر میں نہ دیکھ سکوں تو اس نقل کو ان حضرات کا دیکھنا ضروری ہے نقل وعظ میں اسقدر احتیاط کی جاتی تھی اس لیے محدث اعظم حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری صاحب بذل المجہو دحضرت تھانوی کے وعظ کے بارے میں فرماتے تھے کہ اشرف علی کے وعظ میں انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی (۲) جس کا موضوع ہو اور پہلے بیان ہوا ہو اس پر نظر ثانی پہلے کی جاتی تھی (۳) ابھی تک (۴) مفید (۵) تکمیل (۶) پیش نظر۔

زیادہ ہونا تو مجاہدہ ہے تو پریشانی کا بڑھنا اچھا ہے۔ استغفراللہ استغفراللہ ہر پریشانی مطلوب نہیں۔

پریشانی کی دواقسام

بلکہ پریشانی کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو باختیار ہو کہ انسان کے کسب (۱) کو اس میں دخل ہو دوسرے وہ جو بلا اختیار ہو کہ انسان کے کسب کو اس میں دخل نہیں۔ پھر جس میں کسب کو دخل ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا جلب وسلب (۲) دونوں اختیاری ہیں یعنی اس کے پیدا ہونے میں بھی کسب کو دخل ہے اور دفع کرنے میں بھی (۳) اور ایک وہ جس کا جلب تو اختیاری نہیں مگر دفع اختیاری ہے (۴) یہ بھی کسبیہ میں داخل ہے، پس جس کا جلب وسلب اختیاری ہوں اس کے اسباب کو خود پیدا کرنا سخت مضر ہے (۵) اور جس کے اسباب جلب اختیاری نہیں مگر دفع اختیاری ہے اس کے اسباب مدافعت کو اختیار نہ کرنا اور پریشانی میں مبتلا رہنا بھی مضر ہے (۶)۔ اور ایک پریشانی وہ جس کا نہ جلب اختیار میں ہے نہ سلب (۷) یہ واقعی خیر ہے اور اس کی نسبت یوں کہا جائے گا ؎

درد از یارست و درمان نیز ہم   دل فدائے اوشد جان نیز ہم (۸)

یعنی اس کے لیے درمان (۹) کی بھی طلب نہیں کی جائے گی اور یہی وہ پریشانی ہے جس کے بارے میں عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

درطریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست   برصراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست (۱۰)

(۱) عمل (۲) جس کا کرنا اور نہ کرنا (۳) وہ پریشانی اس کی اپنی پیدا کردہ ہے اور اگر اس سے بچنا چاہتا ہے تو خود بچ سکتا ہے (۴) جس کا آنا اختیاری نہیں دور کرنا اختیاری ہے (۵) نقصان دہ (۶) اس پریشانی کو دور کرنے کے اسباب نہ اختیار کرنا بھی نقصان دہ ہے (۷) نہ آنا اختیاری نہ جانا (۸) ''درد دوست کی طرف سے ہے اور علاج بھی اسی کی جانب سے ہے میرا دل اور جان بھی اسی پر قربان ہے'' (۹) دواء وعلاج کی بھی ضرورت نہیں (۱۰) ''طریقت میں سالک پر جو پیش آتا ہے اسی میں خیر ہے اے دل جو صراط مستقیم پر ہے وہ گمراہ نہیں ہے''۔

یعنی طریقت میں جو امور طریقت کے متعلق پیش آئیں وہ تو خیر ہیں ہی، جو امور طریقت کے علاوہ بھی بدون (۱) اس کے کسب واختیار کے پیش آئیں وہ بھی اس کے لیے خیر ہیں رہا یہ سوال کہ ہم صاحب طریقت کہاں ہیں۔

ہر مسلمان صاحب طریقت ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ سب مسلمان صاحب طریقت ہیں کیونکہ طریقت کہتے ہیں طریق ولایت کو، اور ولایت کا ایک درجہ ہر مسلمان کو حاصل ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ (۲)۔ تو جو شخص ایک ظلمت سے بھی نکل گیا اور یہی وہ طریق ہے اس پر یہ آیت صادق ہے۔ اور یقیناً ہر مسلمان ظلمت کفر سے نکلا ہوا ضرور ہے، تو اس کو ولایت حاصل ہے گو بڑے درجہ کی ولایت حاصل نہ ہو جیسے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ زمین پر بے ہوش پڑا ہے لوگ اس کے گرد کھڑے ہوئے ہیں، پوچھا کیا حال ہے لوگوں نے کہا یہ عاشق ہے عشق میں دو منزلہ مکان سے کود پڑا ہے وہاں قریب ہی ایک زینہ تھا، شیخ سعدی اس کی ایک سیڑھی پر چڑھ کر کود پڑے اور کہا ہم بھی عاشق ہیں مگر عشق سعدی تا بزانو (۳)۔ یعنی عشق کے مراتب مختلف ہیں۔ ایک درجہ ہم کو بھی حاصل ہے گو بڑا درجہ حاصل نہ ہو۔ یہ تو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی ظرافت تھی۔

ادنیٰ درجہ کی قدر

مگر حق تعالیٰ کے یہاں یہ حقیقت ہے وہاں ادنیٰ درجہ کی بھی قدر ہے حتی کہ صلحاء کی صورت بنانے کی بھی قدر ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من تشبه بقوم فهو منهم۔ (۴)

---

(۱) بغیر (۲) اللہ مؤمنین کا دوست ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے" البقرۃ: ۲/ ۲۵۷ (۳) سعدی کا عشق گھٹنے تک ہے (۴) "کہ جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا" سنن ابی داؤد: ۴۰۳۱۔

چنانچہ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو شخص ریاء سے بھی صوفیوں کی وضع بناتا ہو اس کی بھی قدر کرو۔ کیونکہ اس کے اس فعل سے تو معلوم ہوا کہ اس کے دل میں صوفیاء کی قدر ہے جب ہی تو وہ ان کی وضع وصورت سے باقدر ہونا چاہتا ہے پس تم اس کے عیب (ریاء) پر نظر نہ کرو بلکہ اس خوبی پر نظر کر کے اس کی قدر کرو اور یہ سمجھو کہ یہ چند روز کے بعد ریاء نہ رہے گی تو جب اللہ تعالیٰ کے یہاں صورت کی بھی قدر ہے تو حقیقت کی گو وہ ادنیٰ ہی درجہ کی ہو قدر کیوں نہ ہوگی۔ پس ثابت ہوگیا کہ سب مسلمان صاحب طریقت ہیں اور صاحب طریقت کو جو حالت بھی پیش آتی ہے وہ سب خیر ہی خیر ہے۔

کونسی پریشانیاں خیر ہیں

خلاصہ یہ کہ جن پریشانیوں کا نہ سلب اختیار میں ہے نہ جلب وہ واقعی مجاہدہ ہیں(۱) اور وہ سب خیر ہی خیر ہیں جن کا جلب وسلب دونوں یا محض سلب اختیاری ہو وہ پریشانی مجاہدہ نہیں۔

کونسی پریشانی کا سر لینا مجاہدہ نہیں

جیسے کسی نے خواہ مخواہ بلا ضرورت ایسے شخص کا مقابلہ شروع کردیا جس کے مقابلہ کا تحمل نہیں اب نتیجہ یہ ہوا کہ پریشان پھرتا ہے، اپنے بچاؤ کے لیے لوگوں سے مدد مانگتا پھرتا ہے، تیری میری خوشامد کرتا ہے ایسی پریشانی کا سر لینا مجاہدہ نہیں بلکہ شریعت نے ایسی پریشانیوں کے مول لینے سے منع کیا ہے۔ حدیث میں ہے:

لاینبغی للمؤمن ان یذل نفسہ قالوا یا رسول اللّٰہ وکیف یذل نفسہ قال یتحمل من البلاء ما لا یطیق (۲)

(۱) ایسی پریشانی جس میں مبتلاء ہونا اور اس سے بچنا اختیار میں نہ ہو مجاہدہ ہے (۲) ''کسی کو مناسب نہیں کہ اپنے کو ذلیل کرے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ کیسے اپنے کو ذلیل کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اوپر ایسی بلا کو لادے جس کی اس کو طاقت نہیں'' سنن الترمذی: ۲۲۵۴۔

اور ایک پریشانی وہ ہے جس کے اسباب تو غیر اختیاری ہیں مگر وہ اس کی مدافعت پر قادر ہے مثلاً کسی نے خواہ مخواہ اس کے اوپر دعویٰ کردیا اگر مدافعت (۱) کی قدرت ہی نہیں تو مجبوری ہے اور یہ پریشانی قسم اول میں داخل ہے جو خیر ہی خیر ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ اس کے پاس مال ہے دعویٰ کو رفع کرسکتا ہے تو اب اس سے تقاعد عجز وحمق (۲) ہے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ایک مقدمہ دائر ہوا فریقین میں سے ایک ہارا تو اس نے کہا حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل جس کا حاصل ترجمہ محاورے میں یہ ہے کہ مرضی خدا کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان اللّٰہ یلوم علی العجز وعلیك بالکیس فاذا علیك امر فقل حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل (۳) یعنی اللہ تعالیٰ کم ہمتی کو پسند نہیں فرماتا عقل وتدبر سے کام لینا چاہیے۔ پھر جب بالکل ہی مغلوب وعاجز ہوجاؤ اس وقت حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل کہو۔ مطلب یہ ہے تم نے حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل بے موقع کہا یہ اس کا موقع نہ تھا۔ اور یہ مطلب میں نے اس واسطے بتلادیا کہ بعض اس سے شاید یہ سمجھے ہوں گے کہ مطلب یہ ہے کہ جب تک تدبیر سے کام چلے اس وقت تک تقدیر پر نظر نہ کرنا چاہئے۔ یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ قواعد شرعیہ سے مطلب وہی ہے جو میں نے بیان کیا۔ اگر قواعد شرعیہ کا لحاظ نہ کیا جائے اور محض ترجمہ حدیث کا دیکھ کر عمل کیا جائے تو ایسی غلطیاں بہت ہوں گی بلکہ لفظی غلطیاں بھی ہوں گی۔

حکایت عامل بالحدیث

جیسے ایک عامل بالحدیث (۴) کی حکایت ہے کہ وہ امامت کے وقت نماز

(۱) اس کو دفع کرنے کی طاقت نہیں (۲) تو پھر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا اور اس کو رفع کرنے کی کوشش نہ کرنا حماقت ہے (۳) ''سنن ابی داؤد: ۳۶۲۷ (۴) ایسے صاحب جن کا دعویٰ تھا کہ میں حدیث پر عمل کرتا ہوں۔

میں بہت ہلا کرتے تھے اور تنہا نماز پڑھتے ہوئے نہ ہلتے تھے کسی نے پوچھا کہ امامت کے وقت تم کو کیا ہو جاتا ہے جو اس قدر ہلتے ہو؟ کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ امام کو ہلنا چاہئے لوگوں نے کہا ذرا ہم بھی وہ حدیث دیکھیں تو آپ مترجم (۱) کتاب اٹھالائے اس میں حدیث: من ام منکم فلیخفف کا ترجمہ یہ لکھا تھا کہ جو شخص امام بنے ہلکی نماز پڑھائے یعنی طویل نہ کرے آپ نے ہلکی کو ہلکے پڑھا۔ کیسا ناس کیا۔ اسی طرح ایک شخص کا دوست پٹ رہا تھا اور خود بھی کچھ کچھ ہاتھ چلا رہا تھا آپ نے دوڑ کر دوست کے ہاتھ پکڑ لیے دشمن نے اور زیادہ مرمت کی جب اس سے فراغت ہوئی تو دوست نے جھلا کر پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی میری امداد کرنے سے تو رہے، الٹے میرے ہاتھ بھی پکڑ لیے کہ میں خود بھی مدافعت نہ کرسکوں کہا میں نے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے موافق حق دوستی ادا کیا تھا وہ فرما گئے ہیں ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست در پریشان حالی و درماندگی (۲)

صرف ترجمہ دیکھنا کافی نہیں

اگر قواعد شریعت سے کام نہ لیا جائے تو محض ترجمہ دیکھنے سے ایسا عمل ہوگا جیسا اس شخص نے شیخ سعدی کے قول پر عمل کیا تھا آج کل جو لوگوں کو قرآن وحدیث کے ترجمہ کا شوق ہے یہ شوق بہت اچھا ہے میں اس کی قدر کرتا ہوں کیونکہ ؎

چونکہ گل رفت وگلستان شد خراب بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب
چونکہ شد خورشید ومارا کرد داغ چارہ نبود در مقامش از چراغ (۳)

(۱) اردو ترجمہ والی کتاب (۲) ''دوست وہ ہے جو اپنے دوست کے پریشانی اور مصیبت میں ہاتھ پکڑلے'' (۳) ''چونکہ موسم گل ختم ہوگیا اور چمن اجڑ گیا گلاب تو رہا ہی نہیں جس سے خوشبو حاصل ہو۔ اب عرق گلاب سے ہی خوشبو حاصل کرو۔ چونکہ آفتاب چھپ گیا اور ہم کو داغ دے گیا اس لیے اس کی جگہ اب چراغ ہی سے کام لو''۔

عورتوں کا مضامین اور غزلیں اخبار میں شائع کرانا بے حیائی ہے

چنانچہ ایک صاحب نے ایک رسالہ اپنی بیٹی کے نام سے شائع کیا ہے اور آج کل یہ بھی مرض ہو گیا ہے کہ عورتوں کے نام سے رسائل چھاپتے ہیں اور بعضے تو نام کے ساتھ پورا پتہ بھی لکھ دیتے ہیں نہ معلوم اس میں کیا مصلحت ہے؟ کیا لوگوں کو اس کی ملاقات کا رستہ بتلانا مقصود ہے جو ملنا چاہے۔ وہ اس پتہ سے تلاش کر کے مل لے یا اس پتہ پر بیگم صاحبہ سے خط و کتابت کر سکے۔ استغفر اللہ۔ واللہ غیرت مند آدمی تو بلا ضرورت اپنی گھر کی مستورات کا نام بھی ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا چہ جائیکہ پورا پتہ لکھنا اور اس کے نام سے کتابیں اور غزلیں شائع کرنا یا اخباروں میں مضامین دینا یہ سخت بے حیائی ہے اور یہ بالکل ایسا ہے جیسے بیوی کو سر بازار بٹھلا دیا۔ تو اس رسالہ میں اول تو اسی کا رونا رویا تھا کہ مسلمان تنزل میں ہیں، افلاس میں ہیں ان کو ترقی کرنا چاہئے جو آج کل عام رسالوں میں ہوتا ہے اس کے بعد لکھا تھا کہ آج کل بڑا ستم یہ ہے کہ مسلمان تقدیر کے بھروسہ پر رہتے ہیں تدبیر کچھ نہیں کرتے بس جہاں ان پر کوئی مصیبت آئی، لگے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا کرنے مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بھائی مجھے کوئی اور بھی کام ہے یا میں تمہاری دعائیں سنا کروں میں نے تمہیں ہاتھ پیر عقل دیدی ہے اس سے کیوں نہیں کام لیتے (نعوذ باللّٰہ نعوذ باللّٰہ) یہ اپنے خدا پر افترا(۱) باندھا گویا معاذ اللہ ان کو دوسرے مشاغل اتنے رہتے ہیں کہ وہ بندوں کی دعاؤں سے گھبرا گئے تو ایسے جاہل لوگ اس حدیث سے سمجھیں گے کہ جب تک تدبیر سے کام چل سکے اس وقت تک تقدیر پر نظر نہ کرو۔

”حدیثِ توکل“ کا مفہوم

اس لیے میں نے عرض کر دیا کہ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جس قصد سے

(۱) جھوٹ باندھا گیا۔

اس وقت تم نے حَسۡبِیَ اللّٰہُ وَنِعۡمَ الۡوَکِیۡل کہا ہے یہ بے موقع ہے بلکہ مغلوبیت کاملہ کے بعد حَسۡبِیَ اللّٰہُ کہنا چاہئے (مقدمہ میں ناکامی اس وجہ سے ہوئی کہ مدعی نے بینہ قائم کرکے ثبوت نہیں دیا۔ سو یہ مغلوبیت کاملہ نہیں بلکہ اس میں مدعی کی کوتاہی کو دخل ہے اس کو چاہئے کہ گواہ تلاش کرے اور اپنے دعویٰ کا ثبوت دے اور اس تدبیر کے بعد بھی اگر مغلوب ہوجاوے تو اب حَسۡبِیَ اللّٰہُ کہنے کا موقع ہے یہی مطلب ہے اذا علیك امر فقل حَسۡبِیَ اللّٰہُ کہ جب تم پر کوئی ایسی افتاد پڑے جس میں تمہاری کوتاہی کو اصلاً دخل نہ ہو اس وقت حَسۡبِیَ اللّٰہُ کہو اور جہاں تمہاری کوتاہی کی وجہ سے تمہارے خلاف فیصلہ ہوا ہو عقل وتدبیر سے کام لینا چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ حدیث میں قدرت ہوتے ہوئے قدرت سے کام نہ لینے کی ممانعت ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب تک تدبیر سے کام چل سکے اس وقت تک تقدیر پر نظر نہ کرو بعض نادانوں کا خیال ہے کہ تقدیر کے اعتقاد نے مسلمانوں کو کاہل بنادیا۔

تقدیر کے اعتقاد کی برکت

میں کہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط ہے بلکہ تقدیر نے مسلمانوں کو بہادر وشیر دل بنادیا ہے جو شخص تقدیر کا معتقد ہے وہ ادنی درجہ کی تدبیر سے بھی کام شروع کردیتا ہے اور کہتا کہ ﴿كَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ﴾(۱) چنانچہ حضرات صحابہؓ کے واقعات میں سے اس کی کافی دلیل موجود ہے کہ وہ کسی بڑی سے بڑی جماعت کے مقابلہ میں اس کے منتظر نہ رہتے تھے کہ ان کے برابر ساز وسامان اور جمعیت ہو تو جب ہی مقابلہ کیا جائے بلکہ ادنیٰ سے سامان وجمعیت کے ساتھ ان کا مقابلہ شروع کردیتے تھے اور کامیاب ہوتے تھے (بتلایئے

(۱) ''بعض مرتبہ چھوٹی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے'' سورۃ البقرۃ:۲/۲۴۹۔

کہ وہ کونسی چیز تھی جس نے ادنیٰ سے سامان کے ساتھ بڑی بڑی مسلح و مکمل و بیشمار جماعتوں کے مقابلہ پر آمادہ کر دیا وہ تقدیر ہی کا اعتقاد تو تھا) بخلاف صاحب تدبیر کے کہ وہ جب تک مکمل تدبیر نہ کرے گا اس وقت تک ہرگز کام شروع نہ کرے گا میں یہ کہہ رہا تھا کہ جس پریشانی کی مدافعت(۱) اختیاری ہو وہاں مدافعت(۲) کرنا چاہئے اور ترک مدافعت سے اپنے سر پریشانی نہ لینا چاہئے ہاں جب مصیبت کا ایسا غلبہ ہو جائے کہ اس کی مدافعت پر بھی قادر نہ ہو سو یہ واقعی مجاہدہ ہے اور اب اس پریشانی سے کچھ ضرر نہ ہوگا(۳) بلکہ اس میں نورانیت ہوتی ہے۔ وہ سراسر محمود ہے اور اس وقت اہل اللہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ یوں کہتے ہیں۔ ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو　　جاں شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو(۴)

اور یوں کہتے ہیں ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی(۵)

ہر پریشانی محمود نہیں

ایسی پریشانی میں اہل اللہ کا توتوکل واطمینان بڑھ جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ میں ایک درخت کے نیچے تنہا سو رہے تھے اور آپ کی تلوار درخت میں لٹکی ہوئی تھی حضرات صحابہؓ دوسرے درختوں کے سایہ میں ذرا فاصلہ سے سو رہے تھے کہ اس حالت میں ایک کافر نے درخت سے تلوار اتار کر نیام سے باہر کی اور سوت(۶) کر کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی تو اس نے للکار کر پوچھا من یمنعك منی (۷) آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا اللہ آپ کے چہرہ پر بل

(۱) جس پریشانی کو دور کرنا (۲) دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے (۳) نقصان (۴) ''زندہ کریں یہ آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ پر فدا ہوں دل آپ پر مبتلا ہے جو کچھ کریں آپ کی رضا ہو'' (۵) ''دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تیغ کا کشتہ بنے دوستوں کا سر ہی سلامت رہے کہ اس پر آپ کا خنجر رہے'' (۶) تلوار آپ پر تان کر کھڑا ہو گیا (۷) ''کہ بتلائیے کہ آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے'' سنن ابی داؤد: ۳۶۷۲۷۔

بھی تو نہ پڑا نہ کچھ خوف و ہراس ظاہر کیا بس آپ کا کہنا تھا کہ کافر کے ہاتھ میں رعشہ پڑ گیا کانپنے لگا اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار ہاتھ میں لے کر اس سے پوچھا من یمنعك منی کہ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا کہا انت آپ ہی بچائیں گے آپ نے اس پر رحم کیا اور قتل نہیں کیا۔ اور جو پریشانی اختیار سے لائی جاتی ہے اس میں نور نہیں ہوتا بلکہ ظلمت ہوتی ہے اور جیسے کسی کا بچہ بیمار ہے اور وہ اس کا علاج نہیں کرتا اس لیے پریشانی ہے تو اس میں نور نہ ہوگا اور ایک صورت یہ ہے کہ بچہ بیمار تھا اس کا علاج کیا گیا اور علاج کے بعد وہ مر گیا تو اس سے پریشانی نہ ہوگی۔ عارف ایسی مصیبت میں دل میں شاد ہوتا ہے اور ظاہر میں مغموم۔ نواب شیفتہ اسی کو فرماتے ہیں ؎

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رندان شو
کہ بینی خندہ برلبہاؤ آتشپارہ دردلہا(۱)

ہر حال میں تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ پریشانی مطلقاً مطلوب نہیں اور نہ ہر پریشانی محمود ہے حق جل شانہ اپنے بندوں کو پریشانی میں ڈالنا نہیں چاہتے بلکہ ہر امر میں ان کو راحت دینا چاہتے ہیں تشریعاً بھی تکویناً بھی(۲)۔ اگر اللہ تعالیٰ کو بندوں کی پریشانی پسند ہوتی تو یہ دعا تعلیم نہ کی جاتی۔ ﴿رَبَّنَا وَلَاتُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾(۳) کیونکہ جس عرضی کا مسودہ خود حاکم تجویز کردے وہ ضرور پوری ہوگی پس یقیناً جو دعائیں حق تعالیٰ کی فرمودہ ہیں اور اسی طرح جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ ہیں وہ ضرور مقبول ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود(۴)

(۱) تو اے افسردہ دل زاہد ذرا بزم زنداں میں جا کر تو دیکھو کہ ان لبوں پر ہنسی ہے مگر ان کے دل رو رہے ہیں“
(۲) شرعاً اور تکویناً دونوں طرح (۳) ”اے پروردگار ہمارے اوپر ایسا بوجھ نہ لادیئے جس کے تحمل کی ہم کو طاقت نہیں“ سورۃ البقرۃ:۲/ ۲۱۶ (۴) ”آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان گویا اللہ کا فرمان ہے اگرچہ ایک اللہ کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ادا ہوا ہے“۔

اور یہ شان ہے ؎

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ استاد ازل گفت بگو می گویم(۱)

آپ وہی فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد نہیں کرتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کا اجتہاد بھی امر حق سے ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا امر تھا(۲) کہ جب کوئی واقعہ ایسا پیش آئے جس کے متعلق نص (۳) موجود نہیں تو ایک وقت محدود تک وحی کا انتظار کرکے اجتہاد کیجئے تو آپ اجتہاد میں بھی امر حق پر عامل تھے (۴) جیسے مقلد، احکام میں مقلد ہے، مگر نفس تقلید میں محقق ہے۔ کیونکہ عامی کے لیے تقلید حکم نص میں منصوص ہے(۵)۔ تو نفس تقلید میں وہ نص (۶) پر عمل کر رہا ہے، اس لیے محقق ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد میں بھی وحی پر عامل تھے، گو اجتہاد سے جو حکم بیان فرمائیں گے وہ اجتہادی ہوگا، حقیقی وحی نہ ہوگا۔ گو حکماً وہ بھی وحی ہے۔ جب تک اس کے خلاف وحی نازل نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ آپ سے اگر اجتہاد میں خطا ہوگی تو فوراً اس پر متنبہ کیا جائے گا، تو جب آپ نے اجتہاد کیا اور اس کے خلاف وحی نازل نہ ہوئی تو تقریر الٰہی کی وجہ سے وہ بھی حکماً وحی ہے۔ اور بعض لوگ جو ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾(۷) سے نفی اجتہاد(۸) پر استدلال کرتے ہیں یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ یہاں اول تو قرآن کے متعلق کلام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو قرآن نکل رہا ہے یہ آپ کا گھڑا ہوا نہیں بلکہ محض وحی ہے۔ دوسرے اس کو عام بھی رکھا جائے تو یہاں اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى سے نفی ہوا(۹)

---

(۱) پس پردہ مجھے طوطے کی طرح بیٹھا دیا ہے مجھے جو حکم استاد ازل سے ملا تھا وہی کہہ رہا ہوں'' (۲) حکم تھا (۳) واضح حکم (۴) اللہ کے حکم پر عمل کرنے والے تھے (۵) عام آدمی کے لیے علماء کی تقلید کا شریعت نے حکم دیا ہے (۶) حکم شرعی پر (۷) سورۃ النجم: ۳۔۴ (۸) اجتہاد کے ممنوع ہونے پر (۹) ہوائے نفسانی کی ممانعت ہے۔

کی مطلوب ہے۔ نفی اجتہاد کی مطلوب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ہوائے نفس سے تکلم نہیں فرماتے بلکہ جو کچھ فرماتے ہیں اس میں وحی کا اتباع فرماتے ہیں خواہ حقیقتاً یا حکماً جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ حق تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ دعائیں ضرور قبول ہیں اور حق تعالیٰ نے ہم کو خود یہ دعا تعلیم فرمائی ہے: ﴿ رَبَّنَا وَ لَاتُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ﴾ (۱) تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہم کو پریشانی میں ڈالنا نہیں چاہتے ورنہ یہ دعا کیوں تعلیم کی جاتی۔

احکام تشریعیہ اور احکام تکوینیہ انسانی قوت سے زائد نہیں

اس پر شاید یہ سوال ہو کہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں پر ایسی مصائب نازل ہوتی ہیں جن کا تحمل ان سے نہیں ہوسکتا اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ آیت احکام تکوینیہ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ احکام تشریعیہ (۲) کے بارے میں ہے۔ اور احکام تشریعیہ میں کوئی حکم مافوق الطاقۃ (۳) نہیں۔ میں اس کو ابھی ثابت کروں گا۔ اور اگر اس کو عام رکھا جائے تو دوسرا جواب یہ ہے کہ احکام تکوینیہ میں بھی کوئی شے طاقت سے خارج نہیں بشرطیکہ طاقت سے کام لیا جائے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے پندرہ بیس سیر اناج ہو اور کسی مزدور سے اس واسطے نہ اٹھتا ہو کہ اس نے کپڑے کے اندر اس کو نہیں باندھا بلکہ یوں ہی ہاتھوں میں اٹھانا چاہتا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ بوجھ اٹھانے کا طریقہ اختیار کرو یہ بوجھ زیادہ نہیں اسی طرح یہاں کہا جاتا ہے کہ مصائب تکوینیہ کے تحمل کا طریقہ (۴) اختیار کرو پھر کوئی شے طاقت سے زیادہ نہیں وہ طریقہ کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ تعلق مع اللہ پیدا کر کے دیکھو پھر سب مصائب طاقت کے اندر ہیں کوئی بھی مافوق الطاقۃ نہیں کیونکہ کام تو وہ خود کرتے ہیں تم صرف طریق اور سڑک اور مظہر ہو کہ فعل تم سے ظاہر ہو جاتا ہے ورنہ

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲/۲۸۶ (۲) شرعی احکام (۳) طاقت سے بڑھ کر نہیں ہے (۴) تکوینی مصائب کو برداشت کرنے کا طریقہ۔

کرنے والے وہ خود ہیں تو اب تحمل اس لیے ہوجائے گا کہ وہ تمہارے قلب میں قوت تحمل (۱) پیدا کردینگے اور اگر خدا سے تعلق نہیں تو پھر قلب میں قوت کہاں سے آئے اس صورت میں واقعی دل ضعیف ہوگا اور اس کے بعض واقعات طاقت سے زائد معلوم ہوں گے۔ صاحبو! اللہ تعالیٰ کے معاملات واقوال میں غور کرکے دیکھوتو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو پریشان کرنا نہیں چاہتے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ﴾ (۲) اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنا چاہتے ہیں آگے اس کی وجہ ارشاد ہے: ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾ (۳) کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ جب تکوینی ضعف کا تشریع میں لحاظ کیا گیا ہے تو کیا تکوینیات میں لحاظ نہ ہوگا ضرور ہوگا۔ پس یہ آیت بھی تکوین وتشریع دونوں میں رعایت تخفیف کو ظاہر کررہی ہے۔ایک مقام پر ارشاد ہے: ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ﴾ (۴) اگر کوئی اس کو بھی شرائع کے ساتھ خاص کرنا چاہے تو اول عموم لفظ اس سے آبی ہے (۵) اور تسلیم بھی کرلیا جائے تو اور نصوص تو دونوں کو عام ہیں مگر میں اول اس اشکال سے فارغ ہونا چاہتا ہوں جو بعض لوگوں کو تشریع کے یسر پر پیش آتا ہے (۶) وہ کہتے ہیں کہ ہم کو تو تشریعیات میں بہت تنگی معلوم ہوتی ہے (۷)۔

دین میں ذرا تنگی نہیں

مثلاً کوئی شخص معاملات فاسدہ سے بچے اور بالکل شریعت کے موافق معاملات کرنا چاہے تو اس کی عافیت (۸) تنگ ہوجائے گی۔ اور وہ نہ ملازمت کرسکے گا نہ تجارت نہ زراعت کیونکہ سب میں ایسوں ہی سے سابقہ پڑتا ہے۔جن کو اس کا اہتمام نہیں تو لامحالہ اس کو اہتمام میں تنگی ہونا لازم ہے اس کا جواب ایک

(۱) قوت برداشت (۲) النساء:۴/ ۲۸ (۳) النساء:۴/ ۲۸ (۴) ''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتے ہیں۔ دشواری نہیں چاہتے'' سورۃ البقرہ:۱۸۵ (۵) الفاظ کا عموم اس کا انکار کرتا ہے (۶) شرعی احکام کے آسان ہونے پر پیش آتا ہے (۷) شرعی احکام پر بہت تنگی محسوس کرتے ہیں (۸) زندگی۔

مستقل وعظ میں دیا گیا ہے جس کا نام نفی الحرج [1] ہے جس میں ﴿مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ [2]۔ کا بیان ہے یہ ایک آیت اور یاد آ گئی ہے جو پہلے ذہن میں نہ آئی تھی اس کو بھی پہلی آیات کے ساتھ اضافہ کرلیا جائے اس میں من حرج نکرہ تحت النفی ہے جو استغراق کو مفید ہے مطلب یہ ہوا کہ دین میں ذرا بھی تنگی نہیں یہ قرآن کا دعویٰ ہے اور ایسے وقت میں کیا گیا ہے جبکہ تمام عالم کو قرآن کے مقابلہ کی دعوت دی گئی تھی اور تمام کفار اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ قرآن کی کسی بات کو غلط ثابت کردیں۔ اگر دین اسلام کے احکام میں ذرا بھی تنگی ہوتی تو ایسا زوردار دعویٰ ہرگز نہ کیا جاتا اور اگر کیا گیا تھا تو کفار ضرور اس میں کچھ کلام کرتے مگر تاریخ شاہد ہے کہ کفار کو اصلاً قرآن پر حرف گیری [3] کا موقع نہیں ملا۔ معلوم ہوا کہ کفار کو بھی یہ بات تسلیم تھی کہ واقعی اسلام میں کچھ تنگی نہیں۔

شریعت کو تنگی کا الزام دینے کی مثال

رہا یہ کہ آپ کو آج کل کی تنگی نظر آتی ہے تو اس کی ایک مثال اسی وعظ سے نقل کرتا ہوں وہ مثال یہ ہے جیسے ایک گاؤں والا کسی حکیم کے پاس گیا اور نبض دکھلا کر اپنے مرض کا علاج حکیم صاحب سے پوچھا حکیم نے نسخہ لکھا جس میں ایسی دوائیں لکھیں جو اس گاؤں میں نہیں ملتیں پھر غذا کا پوچھا تو حکیم نے شوربا یا پالک کے ساگ اور مونگ کی دال کی اجازت دی مگر وہ دیہاتی ایسے گاؤں کا رہنے والا ہے جہاں نہ مونگ کی دال، نہ پالک ملتا ہے حکیم نے کہا اچھا کدو کھالیا کرو اس نے کہا وہاں تو یہ بھی نہیں ملتا۔ حکیم نے پوچھا پھر کچھ وہاں ملتا بھی ہے۔ کہا وہاں تو مسور کی دال چنے کی دال اور کریلے اور بینگن ملتے ہیں حکیم نے کہا یہ ہرگز مت کھانا۔ اب اگر یہ دیہاتی یوں کہے کہ اس طبیب کا مطب بہت تنگ ہے تو بتلایئے

(۱) یہ وعظ اکتوبر ۱۹۹۶ء میں چھپا ہے (۲) سورۃ الحج: ۲۲/ ۷۸ (۳) اعتراض کا۔

عقلاء کیا کہیں گے یقیناً سب یہ کہیں گے کہ مطب تو تنگ نہیں بلکہ تیرا گاؤں تنگ ہے جہاں معمولی دوائیں معمولی غذائیں بھی نہیں ملتیں اسی طرح صاحبو! شریعت میں تنگی نہیں بلکہ آپ کی معاشرت تنگ ہے کہ آپ ایسی باغی جماعت کے اندر پھنسے ہوئے ہیں جو اعمال قبیحہ وافعال ظلم کی عادی(۱) اور جرائم کی خوگر ہے۔ شریعت میں بجز معاملات ربویہ(۲) کے تمام صورتیں بیع وشراء کی جائز ہیں مگر اس کا کیا علاج کہ آج کل جس قوم کے ہاتھ میں تجارت ہے اس نے جائز صورتیں چھوڑ کر ناجائز ہی ناجائز اختیار کر رکھی ہیں۔ پس یہ تو آپ کی معاشرت میں تنگی ہوئی اور اس وقت شریعت کو الزام دینا حقیقت میں اپنے کو الزام دینا ہے ؎

حملہ بر خودمے کنی اے سادہ مرد ہمچو آں شیرے کہ برخود حملہ کرد(۳)

اور آپ کے اس الزام کی ایسی مثال ہے جیسے ہمارے قصبہ میں ایک واقعہ ہوا کہ ایک عورت اپنے بچہ کو ہگا رہی تھی اتنے میں لوگ چاند دیکھنے لگے اس نے کپڑے سے پائخانہ پونچھ کر چاند دیکھنا شروع کیا مگر اس کی انگلی میں پائخانہ لگا رہ گیا اور وہ ناک کے اوپر انگلی رکھ کر چاند دیکھنے لگی اس کی جو بدبو آئی تو آپ کہتی ہیں اوئی اب چاند کیسا سڑا ہوا نکلا۔

احکام شرعیہ پر غصہ آنے کی مثال

اسی طرح آپ کو جو علماء کے اس جواب سے کہ سود حرام ہے، رشوت حرام ہے، اجارہ مجہولہ حرام ہے۔ غصہ آتا ہے اس غصہ کی ایسی مثال ہے جیسے مولانا نے حکایت لکھی ہے کہ ایک بوڑھے آدمی نے حکیم صاحب کے پاس جا کر کہا میری آنکھوں میں کمزوری ہے، کہا بڑھاپے سے۔ کہا میرا دماغ خالی سا ہو گیا ہے، کہا بڑھاپے سے۔

(۱) برے اعمال اور ظلم کی عادی ہے (۲) سوائے سودی معاملہ کے تجارت کی تمام صورتیں جائز ہیں

(۳) ''اے سادہ لوح انسان تم اپنے پر خود حملہ کرتے ہو جس طرح اس شیر نے خود اپنے پر حملہ کیا تھا'' (خرگوش اور شیر کی کہانی کی طرف اشارہ ہے کہ کنویں میں اپنے عکس کے ساتھ خرگوش کے عکس کو دیکھ کر اپنے عکس کو دوسرا شیر سمجھ کر اس پر حملہ آور ہو گیا اور خود ہی کنویں میں گر کر ہلاک ہوا)۔

کہا میرے ہاتھ پاؤں میں درد رہتا ہے، کہا یہ بھی بڑھاپے سے۔ بڈھے نے جھلا کر حکیم کے ایک دھول رسید کی (۱) کہ نامعقول تو نے بڑھاپے کے سوا حکمت میں کچھ اور بھی پڑھا ہے۔ حکیم نے ہنس کر کہا کہ میں آپ کے غصہ کا برا نہیں مانتا یہ غصہ بھی بڑھاپے ہی سے ہے۔ اسی طرح آپ کو جو مولویوں کے فتووں پر غصہ آتا ہے اس کا سبب وہی جہل اور معاشرت کی تنگی ہے ورنہ شریعت میں کوئی بھی اشکال نہیں جیسے قرآن بے دھڑک کہتا ہے۔ ﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ (۲) حالانکہ آگے چل کر اسی صورت کے تیسرے رکوع میں ہے ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا ﴾ (۳) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو قرآن میں شک بھی تھا۔ مگر قرآن اس کے باوجود بے دھڑک لَا رَيْبَ فِيْهِ کہہ رہا ہے کیونکہ ان لوگوں کے شک کی ایسی مثال تھی جیسے یرقان والا کہتا ہے هذا الثوب اصفر ۔ یہ کپڑا زرد ہے اور تندرست آدمی اس کے جواب میں کہتا ہے هذا لا صفرة فيه کہ اس میں زردی نہیں تو وہ صحیح کہتا ہے کیونکہ وہ زردی تو اس کی آنکھوں میں ہے۔ اسی طرح اس آیت کا مطلب ہے کہ قرآن میں تو ریب (۴) نہیں تم خود ریب میں جا گھسے ہو اور وہ ریب بھی تم کو خود نہیں لپٹا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو ریب سے پاک پیدا کیا ہے چنانچہ حدیث میں ہے: كل مولود يولد على الفطرة (۵) مگر یہ خدائی باغ ہے اس میں پھول بھی ہیں اور جھاڑ بھی ہیں، ایمان بھی ہے اور کفر بھی ہے تم کو تو اللہ تعالیٰ نے جھاڑوں سے الگ رکھا تھا تم خود ان میں جا پھنسے، رہا یہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے باغ میں جھاڑ کیوں رکھے ہیں تو اس سوال کا کسی کو حق نہیں اور اجمالی جواب یہ ہے کہ اس میں بھی حکمتیں ہیں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

کفر ہم نسبت بخالق حکمت ست ور بما نسبت کنی کفر آفت ست (۶)

(۱) ایک تھپڑ مارا (۲) یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں (۳) ہم نے اپنے بندہ پر جو کتاب نازل کی ہے اگر تم کو اس میں شک ہے (۴) شک وشبہ (۵) ’’ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے‘‘ الصحیح للبخاری: ۲/ ۱۲۵ (۶) ’’کفر کی نسبت خالق کی طرف حکمت ہے اور نسبت دوسرے کے ساتھ ہو تو کفر کی آفت ہے‘‘۔

اور عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

درکار خانۂ عشق از کفر ناگزیر ست آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد (۱)

یہ تو اشکال کا رفع تھا۔

مصیبت اور غم کے وقت تعلیم شریعت

میں یہ کہہ رہا تھا کہ نصوص سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پریشانی سے ہم کو بچانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اوپر نصوص کا ذکر آچکا ہے اب میں اللہ تعالیٰ کے معاملات دکھلانا چاہتا ہوں ان معاملات سے بھی یہی معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو پریشانی سے نجات دینا چاہتے ہیں دیکھئے ایک مقام پر ارشاد ہے: ﴿ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ (۲) (جب مصیبت آئی تو کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ ہی کے لیے ہیں اور اس کی طرف کو جانے والے ہیں) یہاں اللہ تعالیٰ نے مصیبت کے متعلق ہم کو ایک تعلیم فرمائی ہے مگر اس تعلیم کی حقیقت معلوم کرنا چاہیئے اور کوئی تصوف راز نہیں بلکہ عربیت میں غور کرنے کی ضرورت ہے اور بات یہ ہے کہ شریعت کی تعلیم کا پورا لطف بدوں علم عربیت کے حاصل نہیں ہوتا۔ ہم لوگوں میں بہت سے امراض اس وجہ سے پیدا ہوگئے ہیں کہ تعلیم شریعت میں غور نہیں کرتے۔ پس ہمکو تفکر و تدبر (۳) کی عادت ڈالنا چاہیئے۔ اب سنئے کہ انا للّٰہ کے معنی بنا بر دلالت لام کے یہ ہیں (۴) کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مِلک ہیں ایک مقدمہ تو یہ ہوا، دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ یہ ملاؤ کہ مالک کو ہر قسم کے تصرف کا حق ہے یہ مقدمہ ظاہر تھا۔ اس لیے اسے بیان نہیں کیا گیا دونوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ حق تعالیٰ کو ہمارے اندر ہر طرح تصرف کرنے کا اختیار ہے پھر پریشانی کیوں ہے یہ کیا ظلم ہے کہ تم کو برائے نام مالکیت (۵) کی وجہ سے اپنے مملوکات میں تصرف کا اختیار ہو۔

(۱) ''دنیا میں کفر کا وجود ضروری ہے اگر ابولہب نہ ہو تو دوزخ کی آگ کس کو جلائے'' (۲) البقرۃ:۲:۱۵۶
(۳) غور و فکر (۴) جس پر آیت میں موجود حرف لام دلالت کر رہا ہے (۵) مالک ہونے کی وجہ سے۔

اور اللہ تعالیٰ کو باوجود ملکیت حقیقی (۱) کے اپنے مملوکات میں تصرف کا اختیار نہ ہو، پس ہم کو یہ تعلیم ہے مصیبت وغم کے وقت کہ اس مضمون کو پیش نظر رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مصیبت اور غم اس لیے دیا ہے تاکہ بندہ کا عاجز ہونا اور حق تعالیٰ کا مالک ومختار ہونا مشاہد ہوا گر انسان پر مصیبت وغم نہ آئے تو یہ فرعون ہو جائے خلاصہ یہ کہ غم کا سبب یہ ہے کہ تم خدا کی مملوکات میں اپنی تجویز لگاتے ہو حالانکہ دوسرے کی ملک میں تم کو تجویز کا کوئی حق نہیں بالخصوص احکم الحاکمین کی مملوکات میں اپنی تجویز لگانا سخت بے ادبی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہم کو غم اس واسطے ہوتا ہے کہ ہم غم کی حقیقت سے بے خبر ہیں اگر ہم غم کی حقیقت سے خبردار ہو جائیں تو اس سے خبردار ہونا ہی زوال غم ہے۔ چنانچہ حقیقت غم کی تجویز ہے (۲)۔ اگر ہم اس کو سمجھ جائیں تو یقیناً اس کو قطع کر دیں (۳) اور جب اس کو قطع کر دیں تو پھر غم پاس کو نہ آئے یعنی غلبہ نہ ہو۔

مگر آج کل تو یہ حالت ہے کہ ایک شخص لڑکے کو انگریزی پڑھاتا ہے اور بہت سے امتحان پاس کراتا ہے اور حقیقت میں اس کو خدا سے دور کراتا ہے۔ دفعتاً حرکت قلب بند ہونے سے لڑکا سوتا رہ گیا تو اب یہ خاک اڑاتا (۴) پھرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے میری امیدوں کا خاتمہ ہو گیا ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد (۵)

اگر اس کو معرفت ہوتی تو اس غم سے پار ہو کر اس بہار میں لگ جاتا جو اس کے اندر موجود ہے وہ کیا؟ وہ وہ دولت ہے جس کو ایک عارف فرماتے ہیں ؎

ستم ست اگر ہوست کشد کہ بہ سیر سروسمن درآ
تو زغنچۂ کم ندمیدۂ درد دل کشا بچمن درآ (۶)

(۱) حقیقی مالک ہونے کے باوجود (۲) یعنی یہ رائے قائم کرنا کہ ایسے ہونا چاہئے (۳) اپنی طرف سے کوئی رائے قائم نہ کریں کہ کیا ہونا چاہئے (۴) روتا پیٹتا پھرتا ہے (۵) ''افسوس آنکھ جھپکتے ہی محبوب کی صحبت ختم ہو گئی۔ ابھی دل بھر کر پھول کو دیکھا بھی نہ تھا کہ موسم بہار ختم ہو گیا'' (۶) ''اگر ہمت ہو تو کبھی باغ کی سیر کے لیے بھی آؤ تم نے کلیاں تو دیکھی ہی نہیں ہیں دل کو کشادہ کر کے باغ میں آ کر دیکھو تو سہی''۔

اور مولانا فرماتے ہیں:

اے برادر عقل یکدم باخود آر　　دم بدم در تو خزان ست و بہار[1]

طبعی غم کی حکمتیں

ارے تم کو اس تجویز کا کیا حق ہے کہ یہ لڑکا سو سال زندہ رہے گا اور اس طرح روپیہ جمع کرے گا۔ یوں گھر کو چلا جائے گا۔ عارف سب سے اول تجویز ہی کو قطع کرتا ہے[2] اسی لیے وہ کسی مصیبت سے پریشان نہیں ہوتا کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے ہر تصرف کے لیے آمادہ ہوتا ہے وہ بچہ کی دوادارو[3] اس کا حق سمجھ کر کرتا ہے مگر دل سے اس پر بھی راضی رہتا ہے یہ اللہ کی امانت ہے وہ جب چاہے لے لیں ان کو اختیار ہے۔ اس کو بچہ کے مرنے سے رنج بھی ہوتا ہے مگر محض طبعی رنج ہوتا ہے عقلی رنج نہیں ہوتا۔ آہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفائی دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم (علیہ وعلیٰ ابیہ فداہ روحی افضل الصلوٰۃ والتسلیم ۱۲)[4] کی وفات کے وقت صاف فرمادیا (انا بفراقك یا ابراهیم لمحزونون) ''اے ابراہیم بے شک ہم تیری جدائی سے مغموم ہیں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم بھی ہوا پھر اس کو ظاہر بھی فرمادیا تاکہ کوئی معتقد اس غم کو کسی باطنی حال پر محمول نہ کرے آپ نے صاف فرمادیا کہ بچہ کی مفارقت کا غم ہے اب جو چاہے معتقد رہے اور جس کا جی چاہے معتقد نہ رہے۔ حضرت باہوا[5] آدمی اس موقع پر ہرگز غم کو ظاہر نہ کرتا کہ معتقدین یوں کہیں گے کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ بچہ کے غم میں رو رہے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی پرواہ نہیں کی عملاً بھی آپ نے رنج ظاہر کیا اور قولاً بھی تاکہ امت کو معلوم ہوجائے کہ طبعی غم کا مضائقہ نہیں بلکہ یہ تو ہونا چاہئے ورنہ غموم و ہموم میں جو حکمتیں ہیں

(۱) ''اے بھائی تھوڑی دیر کے لیے ذرا عقل کو درست کرلے دیکھو خود تمہارے اندر خزاں و بہار موجود ہے''
(۲) سب سے پہلے اپنی خواہش اور رائے کو ختم کرتا ہے (۳) علاج معالجہ (۴) المصنف لابن أبی شیبة: ۳/۳۹۳ (۵) جو شخص اپنی خواہشات کا غلام ہو۔

(مثلاً رفع درجات واظہار عجز عبد واظہار اختیار حق ۱۲) وہ باطل ہو جائیں گی اسی لیے محققین نے کہا ہے کہ جو لوگ اولاد کے مرنے کے وقت ہنستے ہیں وہ ناقص تھے اور جو روئے ہیں وہ کامل تھے۔ کیونکہ اس نے اولاد کا بھی حق ادا کیا اور خالق کا بھی۔ اولاد کا یہ بھی حق ہے کہ ان کی مفارقت کا رنج کیا جائے (۱) اور خالق کا یہ حق ہے کہ عقلاً اس کے تصرف سے راضی رہے۔ اور اس نقصان وکمال کی نظیر صاف یہ ہے کہ ایک شخص کے تو آپریشن کیا گیا کلوروفارم سنگھا کر اس نے نشتر لگانے کے وقت اف تک نہیں کیا اور دوسرے بدون کلوروفارم سنگھائے نشتر لگایا گیا اس نے آہ کی مگر اسی طرح پڑا رہا۔ ناواقف پہلے شخص کو بہادر سمجھے گا مگر حقیقت شناس دوسرے کو بہادر کہے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ پہلے شخص کے حواس معطل تھے اس لیے اس کو نشتر کا احساس ہی نہیں ہوا اور دوسرے کے حواس معطل نہ تھے اس کو تکلیف کا پورا احساس ہوا اس لیے ایک آہ نکل جانا کچھ بہادری کے خلاف نہیں بلکہ بڑی بہادری یہ ہے کہ باوجود احساس کے از جارفتہ (۲) نہیں ہوا۔

پریشانی کی جڑ رنج عقلی ہے

اسی طرح جو لوگ اولاد کے مرنے پر ہنس دیئے ہیں ان کو کلوروفارم سنگھایا گیا تھا۔ یعنی وہ مغلوب الحال تھے اور جو روئے وہ مغلوب الحال نہ تھے۔ گفتگو بہت طویل ہوگئی۔ میں کہہ رہا تھا کہ عارف کو طبعی رنج تو ہوتا ہے مگر اس کی عمر زیادہ نہیں۔ نہ اس سے پریشانی ہوتی ہے۔ عقلی رنج اس کو نہیں ہوتا اور پریشانی کی جڑ یہی ہے۔ عارف کو عقلی رنج اس واسطے نہیں ہوتا کہ وہ انا للّٰہ کے مضمون کو پیش نظر رکھتا ہے۔ غرض عدم تفکر کی وجہ سے ہم لوگوں کو انا للّٰہ (بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں) کے معنی ہی معلوم نہیں اس لیے ہم پریشان ہیں ورنہ یہ تعلیم غم کو زائل کرنے والی ہے وانا الیہ راجعون (بے شک ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) یہ بعض

(۱) ان کی جدائی کا افسوس ہو (۲) بے قابو۔

ضعفاء کی تسلی کے لیے بڑھایا گیا ہے جس کو مفارقت کے غم سے نجات ہی نہیں ہوتی۔ تو ان کو بتلاتے ہیں کہ تم بھی وہیں جاؤ گے جہاں وہ گیا ہے۔ یہ سوچ کر ان کو تسلی ہو جائے گی کہ مفارقت دائمی نہیں ہے (۱) بلکہ چند روزہ ہے۔ شاید کوئی کہے کہ اچھا مراقبہ بتلایا کہ تم بھی مرو گے۔ موت سے تو ویسے ہی وحشت ہے اس سے تسلی کیونکر ہوگی۔ سو بات یہ ہے کہ جس کا محبوب مر چکا ہے اس کو موت سے وحشت نہیں رہتی وہ تو دل سے چاہتا ہے کہ کاش میں مر جاؤں اور وہ زندہ رہے تو ایسے شخص کو موت کا مراقبہ دشوار نہیں بلکہ اس کو یہ مراقبہ آسان ہوگا اور مفید بھی ہوگا۔ دوسرے ہم لوگوں کو نصوص کے معلوم نہ ہونے سے آخرت سے وحشت ہے ورنہ وہ تو حقیقت میں قابل تمنا ہے۔ مولانا جامی فرماتے ہیں ؎

دلا تاکے دریں کاخ مجازی کنی مانند طفلاں خاکبازی
توئی آں دست پرور مرغ گستاخ کہ بودت آشیاں بیروں ازیں کاخ
چرا از آشیاں بیگانہ گشتی چو دوناں چغد ایں ویرانہ گشتی (۲)

عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے تا در میکدہ شاداں وغزلخواں بروم (۳)

یہ تو موت کی نذریں مانتے ہیں کیونکہ وہاں کی راحت کا مشاہدہ کئے ہوئے ہیں۔

بعد از موت مرحومین سے ملاقات

لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ مردہ قبر میں جا کر اکیلا تنہا پڑ جاتا ہے یہ غلط ہے

(۱) جدائی ہمیشہ کے لیے نہیں ہے (۲) ''اے دل اس مجازی مکان (دنیا) میں کب تک لڑکوں کی طرح خاک سے کھیلتا رہے گا۔ تو ہی وہ ہاتھ کا پلا ہوا مرغ گستاخ ہے کہ تیرا آشیاں اس مکان سے باہر تھا تو اس آشیانہ سے کیوں بیگانہ ہو گیا کمینوں کی طرح اس ویرانہ کا الو بنا ہوا ہے'' (۳) ''وہ دن بہت اچھا ہے کہ اس ویرانہ مکان (دنیا) سے جان کو آرام مل جائے اور محبوب کے پاس پہنچ جاوے۔ میں نے نذر کی ہے کہ اگر یہ دن نصیب ہو جائے تو خوش وخرم اور غزل پڑھتا ہوا جاؤں''۔

احادیث میں واقعات موت دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اگر ان شاء اللہ ایمان پر خاتمہ ہو گیا اور ان شاء اللہ ایمان ہی پر خاتمہ ہوگا تو دوسری ارواح استقبال کو آئیں گی پھر وہ اس شخص سے دنیا والوں کے حالات دریافت کرتے ہیں کہ فلاں کیسا ہے فلاں کیسا ہے افسوس ہم کو ان کی یاد نہیں آتی اور وہ ہم کو یاد کرتے ہیں۔ افسوس وہ ہم سے ملنا چاہتے ہیں اور ہم ان سے ملنا نہیں چاہتے۔ صاحبو! یہ کس قدر بے انصافی ہے اور جب اجنبی ارواح سے بھی ملاقات ہوگی تو کیا اپنا بیٹا اور بھائی بیوی وغیرہ نہ ملیں گے، ضرور ملیں گے۔ حدیث میں ہے کہ ادھورا بچہ بھی اپنی آنول نال(۱) سے والدین کو جنت میں لے جائے گا۔ نیز حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بچوں کے ناز نخرے ماں باپ سے زیادہ اٹھاتے ہیں یہاں تک کہ بچہ کو جب کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو تو وہ جنت کے دروازہ پر اڑ کر کھڑا ہو جائے گا کہ ہم تو اندر نہیں جائیں گے پوچھا جائے گا کیوں؟ کہے گا کہ پہلے ہمارے ماں باپ کو لاؤ ہم ان کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے تو ارشاد ہوگا۔ ایھا الطفل الراغم ربه ادخل ابویك الجنة (۲) کہ اے لڑکے اپنے رب کے ساتھ ضد کرنے والے، جا اپنے والدین کو جنت میں لے جا۔ تو حضرات مرنے کے بعد اس طرح کے واقعات ہوں گے ان معاملات کو یاد کر کے تو جی چاہتا ہے کہ ہم عالم ارواح ہی میں ہوتے یہ تماشا عجیب ہے جو مرنے کے بعد ہوگا اور جس کو زیادہ تفصیل کا شوق ہو تو وہ میرا رسالہ ''شوق وطن'' مطالعہ کریں۔ پس اب وہ شبہ جاتا رہا جو وانا الیه راجعون پر وارد ہوا تھا۔ اور ایک بات یہ بھی سمجھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں قالوا فرمایا ہے، اعتقدو او تیقنوا نہیں فرمایا اس میں نکتہ یہ ہے کہ قول میں ایک خاص خاصیت ہے جو صرف اعتقاد سے حاصل نہیں ہوتی مجھے اس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ جس امر کا دل میں اعتقاد ہو اس کو زبان سے بھی کہا جائے تو اثر دوبالا ہو جاتا ہے اسی کو ایک شاعر بیان کرتا ہے ؎

(۱) جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی ناف انتڑی یا جھلّی کی نلکی کی طرح ہوتی ہے۔ دائی اُسے اسی وقت کاٹ ڈالتی ہے۔ اس کے اخیر میں ایک ٹکیا بھی لگی ہوتی ہے۔ اس ہیئتِ مجموعی کا نام آنول نال ہے (۲) اتحاف السادۃ المتقین: ۵/۲۹۸

الا فاسقنی خمرا وقل لی ھی الخمر ولا تسقنی سراً متی امکن الجھر (۱)

زبان سے کہنے کا زیادہ اثر

عشاق کو جذبات صحیحہ کا ادراک زیادہ ہوتا ہے اس لیے معاملہ میں ان کا قول حجت ہے۔ اسی لیے چشتیہ ذکر لسانی اور ذکر جہر کی تعلیم کرتے ہیں۔ پس تقلیداً اس کو مان لیجئے کہ زبان سے کہنے میں زیادہ اثر ہوتا ہے یہ بات اہل سائنس کو مبارک ہو کہ وہ ہر بات میں کہتے ہیں کیوں؟ میں کہتا ہوں بہت اچھا تم میرے ایک کیوں کا جواب دیدو پھر میں تمہارے ہر کیوں کا جواب دوں گا۔ بتایئے مقناطیس لوہے کو کیوں جذب کرتا ہے۔ یہاں سب یہ کہتے ہیں کہ بالخاصّہ جاذب ہے تو ایسے ہی یہاں بھی مان لیجئے کہ ذکر لسانی بالخاصّہ زیادہ موثر ہے۔ حضرت عاشق کو زبان سے محبوب کا نام لینے میں زیادہ حظ (۲) آتا ہے چنانچہ تجربہ کرلیا جائے اسی کو ایک حکایت کے ضمن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ؂

دید مجنوں را یکے صحرا نورد در بیاباں غمش نشستہ فرد
ریگ کا غذبود وانگشتان قلم مے نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنون شیدا چیست ایں مے نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم خاطر خود را تسلی می دہم (۳)

یہی راز چشتیہ کا ذکر لسانی اور ذکر بالجہر میں ہے اور اسی لیے چشتیہ ریا کے ساتھ بدنام ہیں لوگ ان کو ریا کار سمجھتے ہیں مگر ؂

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند (۴)

---

(۱) ''خبردار مجھے شراب محبت پلاؤ اور کہہ دو کہ یہ شراب ہے اور مجھے چھپ کر نہ پلانا جب تک کہ اس کا ظاہر کرنا ممکن ہو'' (۲) مزہ (۳) مجنوں کو کسی نے جنگل بیاباں میں دیکھا کہ بیٹھا ہے اور انگلیوں سے کچھ لکھ رہا ہے ریت کاغذ اور انگلیاں قلم ہیں کسی نے پوچھا یہ کیا کر رہے ہو یہ کس کو خط لکھ رہے ہو۔ اس نے کہا لیلیٰ لیلیٰ لکھ رہا ہوں اور دل کو ٹھنڈا کر رہا ہوں'' (۴) ''تمہارے پاؤں میں تو کانٹا بھی نہیں لگا تم کو ان لوگوں کی کیا خبر ہے جن کے سروں پر بلا اور مصیبت کی تلواریں چل رہی ہیں''۔

خدا کی قسم وہ جس مقام پر ہیں وہاں سب چیزیں فنا ہوگئی ہیں ریا کا وہاں کہاں پتہ ہے ؎

عشق ایں شعلہ است کہ چوں برفروخت ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لاور قتل غیر حق براند در نگر آخر کہ بعد لاچہ ماند
ماند الا اللہ وباقی جملہ رفت مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت (۱)

وسوسہ ریا ریا نہیں

اور اگر فرض کرلیا جائے کہ ذکر جہر میں ریا بھی ہو تو ہمارے امام الصوفیہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ ریا اول ریا ہوتا ہے پھر عادت ہوجاتی ہے پھر عبادت ہو جاتی ہے اگر کوئی شخص ریا کی نیت سے بھی عمل کرے تو اس کے ساتھ ایک نیت یہ بھی کرے کہ میں اس لیے عمل کرتا ہوں کہ یہ ریا ایک دن اخلاص ہوجائے گی۔ بہر حال زبان سے ذکر کرنے میں یہ منافع ہیں۔ گو اس میں ریا کا وسوسہ بھی آتا ہے اس کی پروا نہ کرنا چاہئے۔اور یہاں ایک راز آپ کو میں اور بتلاتا ہوں وہ یہ کہ ریا اور ہے وسوسہ اور ہے۔ اس سے اکثر اپنے اوپر بھی ریا کا شبہ ہوجاتا ہے۔ ریا وہ ہے جو بقصد اختیار ہو اور وسوسہ وہ ہے جو بلا قصد و اختیار کے آئے۔ سو وسوسہ ہرگز مضر نہیں۔ میں اکثر علماء سالکین سے جو کہ ریا کی شکایت کرتے ہیں اول یہ سوال کرتا ہوں کہ بتلاؤ ریا اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔ اگر وہ کہیں اختیاری ہے تو میں کہتا ہوں کہ بس تم اپنے اختیار سے ریا کا قصد نہ کرو۔ اور اگر یہ کہیں کہ غیر اختیاری ہے تو میں کہتا ہوں کہ کیا شریعت نے امر غیر اختیاری سے نہی کو متعلق کیا ہے؟ اب وہ سمجھ جاتے ہیں کہ بلا اختیار جو چیز آتی ہے وہ ریا نہیں، تو میں کہتا ہوں کہ اس سے بے فکر رہو اس کے بعد ان کو حقیقت سے مطلع کرتا ہوں کہ یہ ریا نہیں بلکہ

(۱) ''عشق وہ شعلہ ہے کہ جب روشن ہوتا ہے تو محبوب کے علاوہ سب کو فنا کر دیتا ہے لا الٰہ کی تلوار اپنی غرض فاسدہ پر چلاؤ اس کے بعد دیکھ کر الّا کے بعد کیا رہا اللہ باقی رہ گیا۔ باقی سب فنا ہوگیا''۔

وسوسۂ ریا ہے۔ اگر یہ حقیقت پہلے بتلادی جائے تو اس کی قدر نہ ہو، تسلی بھی نہ ہو۔

وسوسہ ریا کی عجیب مثال

جب سوالات وارد کرنے سے وہ خود حقیقت میں غور کرنے لگتے ہیں۔ تب بتلاتا ہوں کہ یہ وسوسہ ریا ہے، جو دل کے اندر نہیں بلکہ باہر ہے، گو اندر ہی محسوس ہوتا ہو۔ خدا نے مجھے اس کی بھی ایک نظیر بتلائی ہے، وہ یہ کہ جیسے آئینہ کے اوپر مکھی بیٹھی ہو تو وہ دور سے ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا اندر ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھو اور اس سے اندیشہ نہ کرو یہ تو ذرا لاحول پڑھنے سے بھاگ جائے گا۔ مگر لاحول یہ نہیں ہے کہ لاحول لاحول پڑھو بلکہ اس کی لاحول یہ ہے کہ اس کی طرف التفات نہ کرو، اور لا حول ولا قوۃ کی حقیقت بھی یہی عدم التفات ہے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں کچھ طاقت وزور نہیں، یعنی خدا کے سوا کسی چیز کا اندیشہ نہ کرنا چاہئے اور سب سے بے التفاتی برتنا چاہئے۔ تم یہ مت سمجھو کہ وسوسہ کے ساتھ تم خود تکلم کررہے ہو بلکہ دراصل ابلیس تکلم کررہا ہے تم تو صرف اس کی بات سن رہے ہو اور سماع کفر مضر نہیں ہاں تکلم جرم ہے(۱)۔ پس تم پر کوئی جرم عائد نہیں یہ عقلی وجہ ہے عدم التفات کی، بلکہ التفات (۲) کرنا مضر ہے۔ کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے بادشاہ کو برا بھلا کہنا شروع کردیا تو اگر ہم اس سے خفا ہوگئے تو حاسد کا مدعی (۳) پورا ہوجائے گا وہ اس جھگڑے میں ملاقات کا وقت نکال دے گا بس اس سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ خاموش چلے جاؤ اور اپنے کو باب عالی (۴) پر ڈال دو وہاں حاسد کا گزر نہیں۔

شیطان کی مثال

شیطان کی تار بجلی جیسی ہے کہ اس کو ہاتھ ہی نہ لگاؤ نہ جلب کے لیے نہ دفع کے لیے (۵)

(۱) اگر کسی کے کفریہ کلمات تمہارے کان میں پڑیں تو وہ نقصان دہ نہیں البتہ ان کلمات کا خود زبان سے ادا کرنا نقصان دہ ہے (۲) اس کی طرف متوجہ ہونا (۳) حاسد کا مقصد (۴) اپنے کو اس راستہ پر ڈالدو جو بادشاہ کے دربار عالی تک پہنچادے (۵) نہ پکڑنے کے لیے اور نہ بچنے کے لیے۔

ورنہ تم کو لپٹ جائے گا بلکہ اس کو منہ بھی نہ لگاؤ اس کی طرف التفات بھی نہ کرو۔ تم نے اس شیطان سے ڈر کر اس کا دماغ بگاڑ دیا ہے اس سے بالکل نہ ڈرو اور اس کو منہ ہی نہ لگاؤ۔ ﴿اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾(۱) جن پر خدا کا بھروسہ ہے جو خدا پر نظر رکھتے ہیں ان پر شیطان کا ذرا بھی قابو نہیں اس کا قابو انہی پر چلتا ہے جو اس سے کچھ واسطہ رکھتے ہیں اس کو منہ لگاتے ہیں لیس لہ سلطان میں نکرہ تحت النفی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ پر نظر رکھنے والوں پر اس کا ذرا بھی قابو نہیں تم اس کو منہ لگا کر قبضہ اپنے اوپر بڑھاتے ہو پس ذکر لسانی و ذکر جہر میں وسوسۂ ریا کا اندیشہ نہ کرو(۲) اس پر التفات ہی نہ کرو اور اگر شیطان یہ کہے کہ ذکر ریائی بے فائدہ ہے تو کہہ دو کہ تُو غلط کہتا ہے، یہ بھی ایک واسطہ سے مفید ہے۔ غالباً حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ ان سے ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص ریا سے ذکر کرتا ہے فرمایا تجھ سے اچھا ہے اس کا یہی ذکر ریائی ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ بن کر اسے پل صراط سے پار کردے گا۔ اور تیرے پاس تو ٹمٹماتا ہوا(۳) چراغ بھی نہیں اور وہ واسطہ یہ ہے کہ ریا سے آگے چل کر اخلاص بھی پیدا ہوجاتا ہے اور یہ جواب پوری کامیابی نہ ہونے میں مگر پوری ناکامی بھی نہ ہونے میں ایسا ہے جیسا مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک معترض کو جواب دیا تھا۔ اس نے بعض اکابر دین پر جو ایک بڑے کام میں شریک ہوئے تھے مگر ناکام رہے اعتراض کیا تھا کہ ان لوگوں نے خواہ مخواہ اپنے کو تباہ کیا ان کو کیا حاصل ہوا مولانا نے فرمایا ؎

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا(۴)

(۱) سورۃ النحل: ۱۶/ ۱۹، ۲۰ (۲) زبانی اور بلند آواز سے ذکر کرنے میں ریا کا شبہ نہ کرو (۳) تھوڑی روشنی والا چراغ (۴) ''کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز۔ اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا''۔

مگر اتنا کہے دیتا ہوں کہ ان حضرات کو اپنی سعی میں کامیابی کی توقع غالب تھی اس لیے ان کا وہ فعل موجب اجر تھا گو ناکام رہے اور اگر کامیابی کی توقع غالب نہ ہو جیسا کہ اس وقت حالت ہے تو ایسے افعال جائز نہیں نہ ان میں اجر ہے۔ یہ گفتگو اس بات پر طویل ہوگئی کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں قالوا انا للّٰہ فرمایا ہے اعملوا واعتقدوا (۱) نہیں فرمایا تو میں نے بتلادیا کہ قول میں خاص اثر ہے جو مجرد علم میں نہیں (۲)۔ تو اللہ تعالیٰ نے مصائب کے وقت ہم کو اس مضمون کے استحضار وتکرار (۳) کی تعلیم دی ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ بتلا رہا ہے کہ وہ ہم کو راحت دینا چاہتے ہیں پریشانی میں رکھنا نہیں چاہتے پس احکام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمارے لیے آسانی چاہتے ہیں اور معاملات سے بھی اور ان کی صفات سے بھی رحمت وشفقت ورافت کا غلبہ ہوتا ہے چنانچہ جابجا اِنَّ اللّٰـہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۴) اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۵) موجود ہے ؎

ہرچہ می گویند آن بہتر زحسن　　　یار ما ایں دارد وآں نیز ہم (۶)

اب تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو پریشانی سے بچانا چاہتے ہیں ایک مقام پر فرماتے ہیں لَا تُلْقُوْا بِـاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (۷) اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ حدیث میں ہے: سددو او قاربوا، استقیمو اولن تحصوا، ولن یشاد الدین احد الا علبه او کما قال (۸) جو شخص مشقت میں پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ہی بڑھادیتے ہیں۔ اس کا ترجمہ فارسی میں کسی نے خوب کہا ہے ؎

گفت آساں گیر خود کار کز روی طبع　　　سخت می گیر وجہاں بر مرد ماں سخت گوش

(۱) عمل کرو اور اعتقاد رکھو (۲) خالی علم میں نہیں ہے (۳) دماغ میں حاضر کرنے اور بار بار زبان سے ادا کرنے کا حکم دیا ہے (۴) بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں۔ البقرۃ:۲/۱۷۳ (۵) اللہ تعالیٰ تم پر مہربان اور رحم کرنے والے ہیں۔ الحدید:۵۷/۹ (۶) ''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آن حسن سے بہتر ہے۔ ہمارا محبوب یہ آن بھی رکھتا ہے اور حسن بھی'' (۷) البقرۃ:۲/۱۹۵ (۸) مثلة: ولن یشاد الدین احد الاغلبه فسددوا وقاربوا الصحیح للبخاری:۱/۱٦۔

نفس کے حقوق

پھر آپ خواہ مخواہ کیوں مشقت میں پڑتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک صحابی راتوں کو سوتے نہ تھے اور دن میں کھاتے نہ تھے رات بھر نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: ان لنفسك عليك حقًا ولعينيك عليك حقا ولا هلك عليك حقا قم ونم وصم وافطر هذا من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني (۱)

اگر مشقت میں ہر حالت میں فضیلت وثواب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو مشقت سے کیوں منع فرمایا ظاہر میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابی کو تکثیر عمل سے (۲) منع فرمایا یہ غلط ہے بلکہ آپ نے تقلیل عمل سے (۳) منع فرمایا ہے کیونکہ اس تکثیر کا انجام تقلیل ہی ہے (۴)۔

تکثیر عمل کا طریقہ

تکثیر عمل کا طریقہ یہ ہے کہ عمل مواظبت ومداومت (۴) کے ساتھ کیا جائے حدیث میں ہے خير العمل ماديم عليه وان قل (۵) اور اعتدال ہی میں نباہ ہوسکتا ہے اپنے کو مشقت میں ڈال کر ہم نباہ نہیں کرسکتے۔ صاحبو! اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتدال کو نہ سمجھ سکو تو جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین ہوں ان کے اعتدال کا اتباع کرو۔ ان شاء اللہ سوائے اصل ونقل کے زیادہ

---

(۱) ’’تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے‘۔ رات کو کچھ وقت نماز میں کھڑے رہو کچھ سو رہو دن میں کبھی روزہ رکھو کبھی بے روزہ رہو یہ میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقے سے اعراض کرے وہ مجھ سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا‘ مسند احمد: ۶/ ۲۶۸ ((۲) زیادہ عمل کرنے سے (۳) کم عمل کرنے سے (۴) کیونکہ یہ عمل کی زیادتی عمل کی کمی کا باعث ہوجائیگی (۵) پابندی سے اور ہمیشہ کرے ۲) ’’بہتر عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جاوے اگرچہ تھوڑا ہو‘ اتحاف السادة المتقين: ۸/ ۵۷۰۔

فرق نہ ہوگا۔ پس خواہ مخواہ اپنے کو مشقت میں نہ ڈالو کہ ہر مشقت مجاہدہ اور ثواب نہیں۔ میرے ایک دوست کا دعویٰ تھا کہ جس عمل میں مشقت زیادہ ہو اس میں ثواب زیادہ ہے میں نے کہا یہ دعویٰ مطلقاً صحیح نہیں مشقت میں ثواب اس وقت ہے جبکہ مقاصد میں مشقت ہو، نہ کہ طریق میں ورنہ تم کو چاہئے کہ وضو کے واسطے تھانہ بھون خانقاہ کے کنویں سے پانی نہ لو بلکہ دو میل جا کر جلال آباد سے پانی لایا کرو۔ اس مثال سے ان کو اپنے دعوے کی غلطی واضح ہوگئی۔ اور مقاصد میں بھی مشقت برداشت کرنا اس وقت موجب اجر ہے جب کہ اس مقصد کا کوئی طریق مشقت کے سوا نہ ہو اور اگر وہ مقصد دوسرے طریق سے بسہولت حاصل ہو سکے تو مشقت برداشت کرنے میں اجر نہیں۔

عبدیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کمال ہے

دلیل اس کی حدیث عائشہ ہے: ما خير رسول الله صلى الله عليه وسلم بين امرين الا اختار اهونها(۱) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ آسان کو اختیار فرماتے تھے اس میں ایک حکمت تو یہ تھی تاکہ ضعفاء(۲) امت کا عمل بھی موافق سنت ہو جائے اور وہ آسان صورت کو اختیار کرکے بھی اتباع سنت کا ثواب حاصل کرسکیں اور ایک لطیف حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہاں تمام کمالات ہیں وہاں سب سے زیادہ عبدیت کی شان ہے اور یہ آپ کا سب سے بڑا کمال ہے۔ اور قوی شق(۳) کے اختیار کرنے میں گویا قوت کا دعویٰ ہے اور شق اہون(۴) کے اختیار کرنے میں عبدیت کا اظہار ہے کہ میں عاجز ہوں۔

حکایت حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندیؒ

حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ کی مجلس میں ایک مرتبہ یہ حدیث

(۱) سنن أبي داؤد: ۴۷۸۵ (۲) امت کے کمزور لوگوں کا عمل (۳) مشقت کی صورت اختیار کرتے ہیں (۴) ہلکی صورت اختیار کرنے میں عاجزی کا اظہار ہے۔

بیان کی گئی کہ حضرات صحابہ کے زمانہ میں چھلنی نہ تھی بس آٹے کو پیس کر یوں ہی پھونک ماردیا کرتے تھے۔ جو بھوسی اڑگئی اڑگئی باقی گوندھ لیا اور پکالیا۔ شیخ نے حدیث سن کرفرمایا کہ آج سے ہماری خانقاہ میں اسی کے موافق عمل ہونا چاہئے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مگررات کوسب کے پیٹ میں درد ہوگیا۔ اب عارفین کی عقل دیکھئے واللہ ان کی عقل بوجہ تعلق مع اللہ کے مطہر (۱) بھی ہوجاتی ہے اور معطر (۲) بھی اور منور بھی اور کیا کہوں سب قافیے ختم ہوگئے ہاں مدور (۳) بھی ہوجاتی کیونکہ مدور کی کوئی نہایت نہیں ہوتی (لتساوی اجزاء اگر اس وقت ہم وہاں ہوتے تو معاذاللہ یوں کہتے اچھا اتباع سنت کیا مگر شیخ نے یوں فرمایا کہ ہم نے بڑی گستاخی کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ساتھ مساوات کا قصد (۴) اور دعویٰ کیا بھائی ہم لوگ ضعیف ہیں ہم ان حضرات کے ساتھ مساوات نہیں کرسکتے بس آج سے چھلنی کا چھنا ہوا آٹا دستور سابق کے موافق پکایا کرو۔ سبحان اللہ کس قدر ادب کی رعایت کی اور کتنی جلدی عبدیت کی طرف مائل ہوئے۔ واللہ عشق نے ان کی عقول کو منور کردیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ عشق سے عقل زائل ہوجاتی ہے مگر میں کہتا ہوں کہ محبت وعشق ہی سے عقل کامل ہوتی ہے ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد (۵)

حضرت خواجہ نقشبند کا یہ واقعہ میں نے ایک مجلس میں بیان کیا تو اس وقت ایک غیر مقلد صاحب بھی تشریف رکھتے تھے وہ خواجہ صاحب کا یہ ارشاد سن کر بولے کہ اتباع سنت سے مساوات لازم آتی ہے تو کیا اتباع سنت ہی چھوڑ دیا جائے۔ میں نے کہا بس خاموش بیٹھے رہو تم بے چھنا ہی آٹا کھایا کرو۔ تم نقشبند کے نکتہ کو کیا سمجھو گے ہاں کوئی نقشبند ہی ہو یعنی کسی کے دل پر نقش لگا ہوا ہو تو وہ ان نکات کو سمجھے گا۔ اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں نقشبندیہ کو چشتیہ (۶) پر فضیلت دے رہا ہوں۔ یہ طریقہ (۷) ان لوگوں کا ہے جن کو مقصود کی ہوا نہیں لگی اور جو مقصود کو جانتا ہے

---

(۱) پاکیزہ (۲) باعث خوشبو (۳) طبیعت میں اعتدال بھی آجاتا ہے جیسے دائرہ میں اعتدال ہوتا ہے (۴) برابری کرنی چاہی (۵) وہ دیوانہ ہے جو دیوانہ نہیں (۶) یہ سلسلہ تصوف کے دو طریق ہیں جیسے حنفی شافعی (۷) کسی ایک سلسلہ تصوف کو دوسرے کسی سلسلہ پر فضیلت دینے کا طریقہ۔

اس کے نزدیک سب چشتیہ نقشبندی ہیں اور سب نقشبندیہ چشتی ہیں کیونکہ مقصود سب کا ایک ہے صرف لون اور مذاق (۱) کا فرق ہے وہ اس طرح کہ جو مذاق نقشبندیہ کا ہے اس سے چشتیہ بھی خالی نہیں اور جو مذاق چشتیہ کا ہے اس سے نقشبندیہ بھی خالی نہیں ہاں غلبہ وعدم غلبہ کا فرق ہے دیکھئے نواب شیفتہ حالانکہ نقشبندی ہیں مگر ان میں کس قدر سوزش وشورش ہے۔فرماتے ہیں ؎

تو افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو　　　　کہ بینی خندہ برلبہا وآتشپارہ دردلہا (۲)

اس میں چشتیہ کا رنگ ظاہر ہورہا ہے اور ایک شعر انہی کا یہ ہے ؎

چہ خوش ست باتو بزمے نہفتہ ساز کرن　　　　درخانہ بند کرن سر شیشہ باز کرن (۳)

اس میں نقشبندیت جھلک رہی ہے اور بعضے چشتی ایسے ہیں کہ دیکھنے میں بالکل نقشبندی معلوم ہوتے ہیں چھکے پھاکے نہ سوزش نہ شورش ہے نہ حال ہے نہ قال ہے چنانچہ ابھی کچھ دن ہوئے ہمارے ایک دوست آئے تھے ان کی بیٹی حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے بیعت ہے اور بڑی صاحب کشف ہے میں نام نہیں بتلاتا مبادا کسی کے دل میں پیغام نکاح دینے کی خواہش پیدا ہو کیونکہ وہ لڑکی ابھی تک ناکوخدا ہے (۴) اس کے باپ نے بہت سے واقعات اس کے کشف کے ظاہر کئے منجملہ ان کے ایک یہ واقعہ ظاہر کیا کہ حضرت خلیل احمد صاحب قدس اللہ سرہٗ کے ایک خلیفہ (جن کا نام بتلانا مناسب نہیں) ان کے گھر آئے اور پردہ کی آڑ میں اس لڑکی کو بٹھلا کر اس سے کچھ باتیں کیں آخر تو بچی ہی ہے اس کو کیا سوجھی کہ مراقب ہوکر ان حضرت خلیفہ صاحب کے قلب کی طرف متوجہ ہوئی اور

(۱) کیونکہ مقصود سب کا رضا الٰہی ہے صرف رنگ ومزاج کا فرق ہے (۲) ''اے افسردہ دل زاہد ذرا بزم رنداں میں جا کر دیکھو کہ ان کے لبوں پر ہنسی ہے مگر ان کے دل بکھرے ٹکڑے ہیں'' (۳) ''کیا ہی اچھا ہو کہ محفل میں تنہا ہو، اور گھر کا دروازہ بند شراب کی بوتل کھلی ہوئی ہو یا پاس رکھی ہو'' (۴) کنواری۔

اس کے بعد ہنس کر اپنے والد سے کہا کہ ان کا حضور کامل تو ہے مگر بالکل سادہ ہے (۱) کیفیت کا نام نہیں انہوں نے اپنی لڑکی کا مقولہ ان خلیفہ صاحب سے ذکر کیا تو وہ ہنسنے لگے اور کہا واقعی بالکل صحیح کشف ہے مجھ پر کیفیات کا ورود (۲) مطلق نہیں ہوتا اور میں نے حضرت شیخ سے بھی یہ بات عرض کی تھی فرمایا کہ تم کو کیفیات سے مناسبت نہیں اس کے درپے نہ ہو اور صرف حضور کے کامل کرنے میں لگے رہو یہی کافی ہے اور دوست یہاں پر اپنی بیٹی ہی کا حال کہنے آئے تھے کیونکہ اس کو طریق میں کچھ مشکل پیش آ گئی تھی بحمد اللہ میں نے اسے حل کر دیا۔ پھر وہ کہنے لگے کہ میں لڑکی کو یہاں لاؤں گا میں نے کہا نہ بھائی یہاں نہ لانا کیونکہ ان صاحب میں حضور تو تھا، یہاں تو یہ بھی نہیں بس خواہ مخواہ مجھے اس کے سامنے کیوں فضیحت (۳) کرتے ہو واللہ میری یہ حالت ہے ۔

طاؤس راہ بنقش و نگار یکہ ہست خلق تحسین کنندہ او خجل از زشت پائے خویش (۴)

میں اپنی زشتی قدم (۵) سے شرمندہ ہوں کیونکہ میرے پاس عمل نہیں (۶) اور اس طریق میں قدم یعنی عمل ہی کی ضرورت ہے دم مارنے اور باتیں بنانے سے کچھ نہیں ہوتا ۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم کہ اصلے نداردوم بے قدم (۷)

تو اس حکایت سے معلوم ہوا ہوگا کہ بعضے چشتی بھی مثل نقشبندیوں کے افسردہ اور پھیکے پھاکے ہوتے ہیں پس نقشبندی اور چشتی کے جھگڑے کو چھوڑ کر یہ سب ایک ہی ہیں ایک مقصود کے طالب ہیں۔ غرض یہ کہہ رہا تھا کہ حضور

(۱) یعنی کیفیات وغیرہ کچھ نہیں ہیں (۲) کیفیات بالکل طاری نہیں ہوتیں (۳) شرمندہ (۴) ''مور کے بدن پر جو پھول بوٹے بنے ہوئے ہیں مخلوق اس کی تعریف کرتی ہے اور وہ اپنے بدصورت پیروں کو دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہے'' (۵) پیروں کی بدصورتی (۶) یہ حضرت تھانوی کی عاجزی ہے (۷) ''طریقت میں قدم رکھنا چاہئے یعنی عمل کرنا چاہئے اس لیے کہ بغیر قدم رکھے (عمل کئے) دعویٰ کی کچھ اصل نہیں''۔

نے شق اہون (۱) کو اظہار عبدیت کے لیے اختیار کیا ہے پس تم اس نیت سے اظہار عبدیت کے لیے شق اہون کو اختیار کیا کرو۔ اب میں چند اور معاملات حق تعالیٰ کے دکھلانا چاہتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ راحت چاہتے ہیں پریشانی نہیں چاہتے۔

قلب کو نماز میں پابند کرنے کی کوشش کی ضرورت

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ہم کو نماز کا حکم دیا ہے اور بظاہر نماز میں بڑی مشقت ہے کیونکہ اس میں پوری پابندی ہے اور قلب کو پابندی ہی گراں ہے کیونکہ اس کی تو شان یہ ہے اَنَّھُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ یہ تو یوں چاہتا ہے کہ بھاگا بھاگا پھرے قلب کا نماز میں پابند ہو جانا بہت دشوار ہے مگر اس کا مطلب نہیں کہ اگر قلب پابند نہ ہو تو نماز ہی نہ پڑھو، یا وہ نماز بے کار ہے ہرگز نہیں بلکہ پڑھتے رہو اور قلب کو پابند کرنے کی کوشش کرو۔

حکایت حضرت احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

بعض اہل حال نے اس وجہ سے کہ جماعت میں یکسوئی نہیں ہوتی جماعت کی نماز ہی چھوڑ دی تھی یا اس لیے کہ امام کے قلب میں یکسوئی نہیں ہوتی ایسے امام کے ساتھ نماز پڑھنا ترک کر دیا تھا مگر یہ غلطی ہے، اس کے متعلق ایک حکایت ہے کہ امام غزالی کے بھائی احمد غزالی جو صاحب حال زیادہ تھے اور امام صاحب صاحبِ علوم زیادہ ہیں جماعت کی نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ تنہا پڑھتے تھے امام صاحب نے والدہ سے شکایت کی کہ احمد میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتا جماعت ترک کرتا ہے والدہ نے ان کو جماعت کی تاکید کی تو وہ نماز میں آئے اس زمانہ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فقہ کی کوئی کتاب لکھ رہے تھے اور کتاب الحیض تک پہنچے نماز

(۱) آسان صورت۔

میں ان کو کتاب الحیض کے کسی مسئلہ پر خیال آ گیا اور اس کو سوچتے رہے ان کے بھائی صاحب نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور تنہا پڑھ کر چلے آئے۔ امام غزالی نے والدہ سے شکایت کی کہ آج تو انہوں نے بہت سخت حرکت کی کہ شرکت کرکے پھر جماعت سے الگ ہوگئے والدہ نے اس کا سبب پوچھا کہا کہ ان سے پوچھئے اگر کسی کا کپڑا خون آلود ہو تو نماز ہوگی یا نہیں۔ کہا نہیں، کہا اور دل کا درجہ کپڑے سے زیادہ ہے جب کپڑوں کا خون سے پاک ہونا شرط ہے تو دل کا پاک ہونا اس سے بھی زیادہ ضروری ہے اور تم نماز کے اندر حیض کے مسائل سوچ رہے تھے تمہارا دل خون آلودہ تھا اس لیے میں نے علیحدہ نماز پڑھی والدہ نے کہا احمد تمہارا دل بھی اس دھبہ سے محفوظ نہیں رہا تم نے ان کے دل پر توجہ ہی کیوں کی (۱) تم کو چاہئے تھا کہ اپنے شغل میں لگے رہتے والدہ ان دونوں سے زیادہ عارفہ تھی کیسا عجیب فیصلہ کیا۔ غرض بعض اہل حال اس مشقت حضور کو دیکھ کر نماز ہی چھوڑ دیتے ہیں کہ بدوں حضور نماز نہیں اور حضور ممکن نہیں مگر یہ سخت غلطی ہے چنانچہ ایسے ہی شخص کا قول ہے ؎

بر زبان تسبیح و دردل گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے وارد اثر (۲)

میں نے اس کا رد کیا ہے اور کہا ہے

اے چنیں تسبیح ہم دارد اثر

''ایسی تسبیح اثر رکھتی ہے''۔

نماز میں گرانی دور کرنے کا طریق

بہرحال اس میں شک نہیں کہ نماز کے اندر جو پابندی ہے وہ نفس کو بہت گراں گزرتی ہے اور قرآن میں اس کی گرانی کو تسلیم کیا گیا ہے وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ بے شک نماز بہت گراں ہے۔ مگر اب حق تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ آگے اس گرانی کے

---

(۱) کیونکہ حکم ہے ''ولا تجسسوا'' ''اور تم نے ان کی دلی کیفیت کا تجسس کیا (۲) ''زبان پر تسبیح اور دل میں گاؤ خر کا خیال ایسی تسبیح کیا اثر رکھتی ہے''۔

زائل کرنے کی بھی تدبیر بتلاتے ہیں اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ یعنی مگر خشوع کرنے والوں پر نماز گراں نہیں ظاہر ہے مقصود استثنا ہے مگر درحقیقت اس میں بتلانا مقصود ہے کہ نماز کی گرانی کے رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خشوع حاصل کرو۔ خشوع کے معنی عربی میں سکون ہیں اور سکون حرکت کا ضد ہے اور قاعدہ ہے کہ علاج بالضد ہوتا ہے۔ پس حاصل علاج کا یہ ہوا کہ نماز گراں اس لیے تھی کہ قلب متحرک رہنا چاہتا ہے تم اس کو سکون کا عادی کرو تو یہ گرانی باقی نہ رہے گی۔ اس جگہ میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ آیت کی اس عنوان سے تقریر کرنا ہمارے ذمہ ضروری نہیں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ خشوع سے گرانی نہیں رہتی مگر ایسی تقریر کر دینا محض سامعین کی خاطر ہے مگر شاید کوئی اس علاج پر یہ شبہ کرے کہ یہ تدبیر تو صحیح، مگر یہ تو ایسی تدبیر ہوئی جیسے کسی نے کہا تھا کہ ایک منٹ میں سات دفعہ سورہ بقرہ پڑھ لو تو سلطنت ہفت اقلیم مل جائے گی۔ یا جیسے گاندھی نے کہا تھا کہ سب ہندوستانی اتفاق کر کے گورنمنٹ سے ترک موالات کر دیں تو سوراج (۱) مل جائے گی یہ تو مسلّم مگر سوال یہ ہے کہ کیا ہندوستان میں اتفاق ہو بھی سکتا ہے؟ ہرگز نہیں یہاں کی آب وہوا میں خاصیت یہ ہے کہ یہاں اتفاق ہو نہیں سکتا اور ہو بھی جائے تو رہ نہیں سکتا تو یہ علاج بھی ایسا ہی ہوا کہ قلب کو سکون کا عادی کر لو نماز گراں نہ رہے گی یہ تو مسلّم (۲) مگر سکون کیونکر حاصل ہو۔

خشوع قلب حاصل کرنے کا طریق

تو صاحبو! اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر نہیں بتلائی جو حاصل نہ ہو سکے چنانچہ آگے خشوع حاصل کرنے کا بھی طریقہ بتلاتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ کہ خشوع قلب حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لقاء رب (۳) کا مراقبہ کرو کیونکہ لقاء رب کا مراقبہ قاطع جملہ افکار ہے (۴) جس دل میں یہ مراقبہ ہوگا وہاں

(۱) اقتدار (۲) تسلیم شدہ (۳) ملاقات پروردگار (۴) سب فکروں کو ختم کرنے والا۔

اور کوئی فکر جم نہیں سکتی پس سکون قلب اور خشوع حاصل ہو جائے اسی کو دوسری آیت میں فرماتے ہیں: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۱) کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے خشوعؔ اور اطمینان اور سکون سب متحد ہیں اور یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اطمینان ایمان کے علاوہ کوئی شے اور ہے کیونکہ اطمینان خشوع کا مرادف ہے اور بغیر خشوع کے ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بہت لوگ ایماندار ہیں جن کو خشوع حاصل نہیں تو ایمان بھی بدون اطمینان متحقق ہو سکتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشاہدہ احیاء موتی کی درخواست کا سبب

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں جبکہ انہوں نے مشاہدہ احیاء موتی کی درخواست کی تھی (۲) اور بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ (۳) فرمایا تھا کوئی وہم اشکال نہیں رہا۔ اب یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اطمینان کی نفی کی ہے تو معاذ اللہ ایمان کی بھی نفی ہو گئی۔ ہرگز نہیں۔ اسی وہم کو رفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے حال پر رحم فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے خود ہی سوال فرمایا: اَوَلَمْ تُؤْمِنْ (۴) کیا تم کو احیاء موتی پر ایمان نہیں تاکہ وہ یہ جواب دیں وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ کہ ایمان کیوں نہیں، لیکن میں اطمینان قلب چاہتا ہوں یہاں بھی اطمینان سے سکون ہی مراد ہے یعنی چونکہ بدوں مشاہدہ کے کیفیت متعین نہیں ہوتی اس لیے یہ خیال ہوتا ہے کہ نہ معلوم احیاء کی کیا صورت ہو گی اور مشاہدہ سے کیفیت متعین ہو جائے گی، تو سکون ہو جائے گا کہ احیا موتی کی یہ صورت ہو گی تو اس سوال وجواب کے بعد کسی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کسی قسم کا وہم پیدا نہ ہو گا۔ رہا یہ سوال کہ اس معاملہ میں طلب اطمینان کی ضرورت ہی کیا تھی عام اجمال ہی کافی تھا گو ایک کیفیت ذہن میں متعین نہ ہوتی اور اگر اس کی ضرورت تھی تو پھر ہر شخص کو اس کا مشاہدہ کرانا چاہیئے تو اس کا جواب ہمارے ذمہ نہیں ممکن ہے

(۱) سورۃ الرعد: ۱۳/۲۸ (۲) مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت دیکھنے کی خواہش کی تھی (۳) البقرۃ: ۲/۲۶۰ (۴) ۲/۲۶۰۔

حضرت ابراہیم کو کسی خاص وجہ سے (جس کا ہم کو علم نہیں اس کی ضرورت پیش آئی ہو) مگر تبرعاً بتلا دیتا ہوں کہ اہل سیر نے اس کی یہ وجہ بتلائی ہے کہ جب نمرود سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گفتگو وجود صانع اور توحید صانع کے مسئلہ میں ہوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (۱) کہ میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اس پر نمرود نے یہ سوال کیا کہ کیا تم نے احیاء واماتت کا مشاہدہ کیا ہے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ مشاہدہ تو نہیں کیا لیکن دلیل سے میں جانتا ہوں کہ احیاء واماتت خدا ہی کا فعل ہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ درخواست کی کہ اے رب مجھے احیاء واماتت کا مشاہدہ کرادے (تاکہ میں جاہلوں کے جواب میں یہ کہہ سکوں کہ ہاں میں نے اس کا مشاہدہ کیا ہے) تو دیکھئے اللہ تعالیٰ نے نماز کی گرانی زائل کرنے کا کیسا عجیب طریقہ بتلایا اور نماز میں بس خشوع ہی ایک گراں ہے (۲) باقی افعال اس کے سب آسان ہیں پھر نماز کے اوقات ایسے ہیں جو عموماً فارغ اوقات ہیں صبح اٹھتے ہیں دنیا کا کوئی کام شروع نہیں ہوتا نہ تجارت نہ زراعت نہ ملازمت۔ اور دو پہر کو عموماً لوگ کھانا کھانے اور اپنے گھر پر آتے ہیں اسی وقت ظہر کی نماز فرض کی گئی اور مغرب کے وقت عموماً سب کاروبار بند ہوجاتا ہے اور عشاء کا وقت تو فارغ ہی ہے البتہ عصر کا وقت عموماً فارغ نہیں اس وقت ایک نماز فرض کرکے محبت کا امتحان کیا گیا ہے کیونکہ بعض اہل ہوس بھی ہیں اور جو اسی وقت تک محبت کا دم بھرتے ہیں جب تک ان کی خواہش کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ جیسے ایک شاعر اپنے محبوب کو دعا دیتا ہے ؎

بخت خویش برخوردار باشی بشرط آنکہ بامن یار باشی (۳)

دعا میں یہ بھی شرط ہے کہ میرے ساتھ دوستی رکھے اور میرا کہنا مانے تو صاحب نصیب ہو ورنہ نہیں تو ایسے بوالہوسوں (۴) کو عشاق کی صف سے باہر

(۱) البقرۃ:۲/۲۵۸ (۲) بھاری ہے (۳) ''اس کا اپنا بخت تابعداری میں ہے بشرطیکہ میرے ساتھ میرا ہمنشیں ہو'' (۴) ایسے خواہش کے تابع لوگوں کو عشاق کی صف سے نکالنے کے لیے۔

کرنے کے لیے عصر کے وقت ایک نماز فرض کی گئی تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ کون بوالہوس ہے جو اپنی منفعت کو عبادت محبوب پر مقدم کرتا ہے اور کون عاشق صاحب ہے جو محبوب سے کسی وقت رخ نہیں پھیرتا۔ سچے عاشق کی تو یہ شان ہوتی ہے ؎

اس کے کوچہ سے کب اٹھ اہلِ وفا جاتے ہیں
وہ ہوس ناک ہیں جو رو بقضا جاتے ہیں

شاعر نے اس شعر میں ایک دوسرے شاعر کا رد کیا ہے جس نے کہا تھا ؎

اس کے کوچہ سے جب اٹھ اہل وفا جاتے ہیں
تا نظر کام کرے روبقضا جاتے ہیں

اس نے اس کا رد کیا کہ اہل وفا محبوب کے کوچہ سے اٹھتے ہی نہیں۔

نماز عصر فرض کرنے میں حکمت

بہرحال عصر کے وقت ہر شخص مشغول ہوتا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے امتحان محبت کے لیے اس وقت کی نماز فرض کردی مگر اس کو بھی اس طرح آسان کردیا کہ ''حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ ''(۱) فرما کر نماز عصر کی فضیلت ظاہر کرکے ہمت بڑھادی کہ یہ نماز سب سے افضل ہے ''فان خیر الامور اوسطھا'' (بہترین کام درمیانی درجہ کا ہے) اس لیے خاص طور پر محافظت کرو۔ اس ترغیب وتاکید سے مسلمانوں کو عصر کی نماز کا خاص اہتمام ہوگیا اور جس چیز کا خاص طور پر اہتمام ہوجاتا ہے وہ دشوار نہیں رہتی۔ پھر نماز کو اس طرح آسان کیا کہ اگر کھڑے نہ ہوسکو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لو بیٹھ نہ سکو تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھ لو بیماری میں وضو نہ ہوسکے تو تیمّم کرلو یا سفر میں پانی نہ ملے تو تیمّم کی اجازت ہے۔

(۱) ''نمازوں کی حفاظت کرو اور عصر کی نماز کی'' (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۸۳/۳)

شریعت اللہ تعالیٰ کی ہے

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سفر میں پانی نہ پانے والے کو اس کی اجازت ہے کہ بیوی سے مقاربت کر لے (۱) اور غسل کی جگہ تیمّم کر لے اگر یہ شریعت خدا کی نہ ہوتی تو حکم یہ ہوتا کہ اس حالت میں مقاربت حرام ہے کیونکہ جب سفر میں پانی نہیں ملتا تو ایسے سخت سفر میں اس مستی کی کیا ضرورت ہے کہ جماع کیا جاوے اپنے ہاتھوں ناپاکی میں مبتلا ہوا جائے۔ اور اگر جماع جائز بھی کیا جاتا تو حکم یہ ہوتا کہ اس کو تیمّم جائز نہیں جس طرح ممکن ہو مر بھر کر کہیں سے پانی ہی لادے تاکہ مستی کی سزا بھگتے اور اگر تیمّم بھی جائز ہوتا تو وضو اور غسل کے تیمّم میں فرق ہوتا وضو کے تیمّم میں ہاتھ منہ کا ملنا کافی ہے تو غسل کے تیمّم میں شاید مٹی میں لیٹنے کا حکم ہوتا۔

لیڈران قوم کی احکام شریعت سے بے خبری

جیسے ایک لیڈر نے جس کو تیمّم کا طریقہ معلوم نہ تھا اپنی عقل سے یہ سمجھا کہ جن اعضاء پر وضو میں پانی ڈالا جاتا ہے شاید تیمّم میں اس سب پر مٹی ڈالی جاتی ہوگی تو آپ نے اول دونوں ہاتھوں پر اوپر نیچے مٹی ملی پھر منہ میں کلی کے لیے بھی مٹی دی اور ایک دفعہ ان ہی صاحب نے موٹر ٹھہرا کر اسی میں بیٹھے نماز پڑھ لی اور پھر بھی وہ قوم کے پیشوا اور لیڈر ہی رہے ایسے ہی لیڈروں کے متعلق کسی نے کہا ہے ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم　　سیھدیھم طریق الھالکینا (۲)

اور کہا ہے ؎

گربہ میر وسگ وزیر وموش را دیوان کنند
ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویراں کنند (۳)

---

(۱) بیوی سے صحبت کر لے (۲) ''جس کسی قوم کا لیڈر کوّا ہوا تو وہ عنقریب انہیں ہلاکت کی راہ پر لے جائے گا''
(۳) ''اگر بلی سردار، کتا وزیر اور چوہا دیوان ہو تو جب سلطنت کے ارکان ایسے لوگ ہوں تو یہ ملک کو ویران کر دیں گے''۔

اس پر شاید کوئی یہ کہے کہ مولوی خود تو سیاسیات میں پڑیں نہیں اور کام کریں نہیں اور دوسروں کو بھی کرنے نہیں دیتے کہ ان کو برا بھلا کہتے ہیں اس شبہ کا جواب میں نے میرٹھ کے ایک جلسہ وعظ میں دیا تھا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ مسائل سیاسیہ میں یہ لال ٹوپی والے ہمارے امام ہیں کیونکہ واقعی ترکوں کو چندہ بھیجنے کی تدبیر کرنا ہمارا کام نہ تھا ہم تو دعا کے سوا کچھ نہ کر سکتے تھے ان لوگوں نے گورنمنٹ سے اس کی اجازت لی اور وہاں امداد پہنچانے کے وسائل معلوم کئے تو ہم نے بھی چندہ میں شرکت کرلی۔ بس ان مسائل میں ہم ان کو امام تسلیم کرتے ہیں مگر امام کو قرآن صحیح یاد نہیں اس لیے متقدی کو لقمہ دینا واجب ہے، ورنہ سب کی نماز فاسد ہو جائے گی پس امام کو چاہئے کہ یا تو نماز سے پہلے وہ ہمارے پاس آکر قرآن صحیح کرلے ورنہ جب غلطی کرے گا تو ہم نماز ہی میں لقمہ دیں گے اور اس کو غلطی پر ٹوکیں گے۔ یعنی مثلاً اگر تم چندہ بلقان کے لیے تجویز کرو کہ مسلمان قربانی کو ترک کردیں اور ان کی قیمت چندہ میں دے دیں تو ہم اس کا رد کردیں گے یا تم زکوٰۃ کا روپیہ بدوں تملیک کے بھیجنے لگے تو اس کی بھی مخالفت کریں گے تم کو چاہئے کہ ہم سے مل کر کام کرو اور مل کر کام کرنے کے معنی یہ ہیں جیسے بڑھئی اور معمار ولوہار مل کر مکان بناتے ہیں جس کی یہ صورت نہیں ہوتی کہ سب کے سب ایک ہی کام کو لپٹ جائیں بلکہ ایک لکڑی کا کام کرتا ہے اور ایک لوہے کا اور ایک اینٹ گارے کا اسی طرح یہاں مل کر کام کریں گے یہ معنی نہیں کہ مولوی صاحبان بھی جھنڈا لیکر سیاسیات کے میدان میں کود پڑیں۔ بلکہ صورت یہ ہے کہ جھنڈا تو لال ٹوپی والے اپنے ہاتھ میں رکھیں مگر جو کام کرنا چاہیں اور جو تجویز کریں اس کو شائع کرنے سے پہلے علماء سے پوچھ لیں کہ یہ شریعت کے خلاف تو نہیں پس آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ ہم لیڈروں کو کام کرنے سے منع نہیں کرتے ہاں تنہا کام

کرنے سے منع کرتے ہیں اگر وہ ہم سے قرآن وحدیث پوچھ کر امامت کریں تو ہم ان کے مقتدی بننے کو تیار ہیں لیکن غلط قرآن پڑھ کر امامت کریں گے تو بے شک نہ ہم ان کی اقتدا کرسکتے ہیں نہ دوسروں کو اقتدا کرنے دیں گے بلکہ ان کی نماز کے فاسد ہونے کو ظاہر کردیں گے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ جو کام مولوی کرتے ہیں وہ تم نہیں کرسکتے یعنی احکام کا سمجھنا اور جو کام تم کرتے ہو وہ مولوی بھی کرسکتے ہیں بلکہ تم سے اچھا کرسکتے ہیں چنانچہ جو مولوی جھنڈا لے کر سیاست کے میدان میں کودے ہیں وہ تم سے کچھ کم نہیں رہے بلکہ آگے ہی بڑھ گئے گو انہوں نے اس طرح اپنی علمی شان کو برباد کیا ہے الا ماشاء اللہ یہ شبہ کا جواب تھا میں کہہ رہا تھا کہ لیڈر صاحب اپنی عقل سے غسل جنابت کا تیمّم کرتے تو وہ ضرور مٹی میں گدھے کی طرح لیٹتے مگر یہ شریعت خدا کی بنائی ہوئی ہے ہر اس شخص کو بحالت سفر مقاربت کی بھی اجازت ہے پھر غسل ووضو دونوں کا تیمّم ایک ہی طرح سے ہے صرف نیت کا فرق ہے۔ اور جس حالت میں ان لیڈر صاحب نے بیٹھ کر نماز پڑھی تھی، اس حالت میں قعود جائز نہ تھا(۱) کیونکہ وہ قیام پر قادر تھے۔ موٹر سے نکل کر زمین پر قیام کے ساتھ نماز پڑھ سکتے تھے ہاں اگر کسی وقت قیام پر قدرت نہ ہو تو قعود بھی جائز ہے۔

فقہاء اور صوفیاء حکماء امت ہیں

تو یہ احکام شرعیہ زبان حال سے حق تعالیٰ کی محبت وعنایت کو ظاہر کررہے ہیں۔ روزہ میں غور کیجئے کہ کس قدر سہولت کی رعایت ہے اگر کسی شخص نے سفر میں رات کو خوب سیر ہو کر کھانا کھالیا ہو اور دن میں اس کو بھوک پیاس کا اندیشہ نہ ہو مثلاً ریل کا سفر ہو، جاڑے (۲) کا موسم تو اب سوال ہوگا کہ اس شخص کو افطار جائز ہے یا نہیں شریعت کہتی ہے کہ افطار جائز ہے اس کو حضرات فقہاء نے سمجھا ہے حالانکہ

(۱) بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں تھا (۲) سردی کا موسم۔

سفر میں جواز افطار کی وجہ مشقت ہے اور اس صورت میں کچھ مشقت نہیں ہے مگر حضرات فقہاء حکماء امت ہیں انہوں نے معیار رخصت کو سمجھا ہے اور وہ یہ کہ اصل مدار تو مشقت ہے مگر شریعت نے نفس سفر کو قائم مقام مشقت کے قرار دے دیا ہے اور دوسرا فرقہ بھی حکماء امت ہے یعنی صوفیہ مگر باوجود دونوں فرقوں کے حکماء ہونے کے پھر جو یہ دونوں آپس میں لڑتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لڑنے والے دراصل حکماء امت نہیں ہیں بلکہ دونوں ناقص ہیں جو اس شعر کا مصداق ہیں ؎

اگر از ہر دو جانب جاہلانند اگر زنجیر باشد بگسلانند(۱)

اور جو ان میں سے حکماء ہیں وہ کبھی نہیں لڑتے۔

حکیم کا معیار

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حکیم کا معیار یہ لکھا ہے کہ صوفی بھی ہو فقیہ بھی ہو محدث بھی ہو اور یہ بھی لڑائی ان لوگوں میں ہوتی ہے جو نرے فقیہ یا نرے صوفی ہیں۔ غرض شریعت نے اس صورت میں افطار کو جائز کیا ہے اب اگر یہ کہو کہ اس میں تو بے حیائی سی معلوم ہوتی ہے کہ سب روزہ داروں کے سامنے بیٹھے کھا رہے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو تم خود دیکھ لو باقی شریعت میں تو تمہاری اس بے شرمی کی بھی اجازت ہے کیونکہ بے شرمی کی بھی شریعت میں تفصیل ہے ہر بے شرمی حرام نہیں بس وہی حرام ہے جو واقعی بے شرمی ہو۔ خالی بے شرمی حرام نہیں۔ واللہ آپ نے شریعت کے حسن و جمال کو دیکھا نہیں لوگ اس کی حقیقت سے واقف نہیں اس لیے اس سے وحشت کرتے ہیں ورنہ اس کے حسن کی یہ حالت ہے ؎

(۱) ''اگر دونوں طرف جاہل ہوں اگر ان کو زنجیر سے باندھ دیا جائے تو ٹوٹ پھوٹ جائیں گے''۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست (۱)

اور یہ لوگ شریعت سے تو کیا واقف ہوتے ہیں میں تو یہ کہتا ہوں کہ دنیا کی حقیقت سے بھی واقف نہیں جو کہ ان کی مطلوبہ ہے اسی لیے اس پر فریفتہ ہورہے ہیں۔ صرف اوپر سے چادر کی بھڑک دیکھ لی ہے اور یہ سمجھ لیا ہے کہ اس کے اندر حسین صورت ہے اگر نقاب الٹ کر دیکھیں تو معلوم ہو کہ چڑیل ہے ۔

پس قامت خوش کہ زیر چادر باشد چوں باز کنی مادر باشد (۲)

اس لیے شریعت نے جہاں آخرت میں تفکر کا حکم کیا ہے وہیں دنیا کی حالت میں بھی تفکر کا حکم ہے لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (۳) شریعت دنیا کی طرف سے متوجہ کرنے سے ڈرتی نہیں بلکہ بے دھڑک کہتی ہے کہ تم دنیا کی حالت میں اچھی طرح غور کرلو پھر اس کے مقابلہ میں آخرت کو دیکھ لو تو خود فیصلہ کردو گے کہ قابل رغبت کون ہے یہ تو عبادات میں شریعت کی تیسیر (۴) کا نمونہ تھا۔

احکام معاشرت آسان تر ہیں

اس کے بعد احکام معاشرت کو دیکھو تو جس چیز کو لوگوں نے سب سے گراں تر (۵) کر رکھا ہے وہ شریعت میں سب سے آسان تر ہے یعنی نکاح کیونکہ کھانے میں، پینے میں، پہننے میں کچھ تو صرف کرنا پڑتا ہے نکاح میں کچھ بھی خرچ نہیں گواہ بلافیس مل جاتے ہیں۔ قاضی بلافیس مل جاتا ہے اور جو فیس لے اس سے نہ پڑھواؤ بلکہ خود ہی ایجاب وقبول کرلو۔ رہا مہر سو وہ ایسا ادھار ہے کہ بیچاری عورتیں ساری عمر بھی اس کا نام نہیں لیتیں اور جب میاں مرنے لگا تو اس کی کھٹولی (۶)

(۱) ''پیشانی سے پیر تک جہاں بھی دیکھتا ہوں کرشمہ اور رعنائی دامن دل کھینچتی ہے کہ سب سے زیادہ پرکشش جگہ یہی ہے'' (۲) ''بہت سی خوش قد جو چادر میں ہیں جب چادر کو ہٹاؤ تو نانی معلوم ہوں گی'' (۳) البقرۃ: ۲/۲۱۹، ۲۲۰ (۴) آسانی (۵) سب سے بھاری سمجھا ہوا ہے (۶) اس کے پلنگ (بیڈ) کے پاس۔

کے پاس جا کر کہہ دیتی ہے کہ میں نے مہر معاف کیا۔ اور رامپور میں تو ایک عورت ایسی غریب تھی کہ اسی کا مرد جب بیوی سے لڑتا یہ کہتا کہ لا میرا مہر وہ غریب ڈر جاتی اور سمجھتی تھی کہ مہر میرے ذمہ ہے وہ ظالم یہ قہر کرتا تھا۔ رہے چھوارے سو وہ محض مستحب ہیں اگر ہوں تو ہم خرما رہم ثواب (۱) ورنہ خالص ثواب ہے اسی طرح غمی میں بھی شرعاً کچھ خرچ نہیں لوگوں نے خواہ مخواہ اس میں بھی خرچ خود ہی بڑھالیا ہے چنانچہ دفن کرنے کی جگہ مہیا کرنے میں تو کچھ خرچ ہی نہیں بلکہ گورا میران (۲) میں تو کچھ خرچ ہوتا بھی ہے لیکن اکثر جگہ اس کو بھی آپ کے بزرگ ادا کر چکے ہیں کیونکہ آجکل اکثر قبرستان پہلے بزرگوں کے وقف کردہ ہیں اور گور غریباں (۳) میں تو کچھ بھی خرچ نہیں ہے۔ قبر کھود دینے والے سو بعضے تو نادار مفلس سے کچھ لیتے ہی نہیں اور اگر لیں بھی تو غریب آدمی کو ان کی ضرورت ہی کیا ہے خود قبر کھود کر مردہ دفن کر دیں یا چندہ جمع کر کے مزدوری دیدیں یہی حال کفن کا ہے اگر وسعت ہو تو کفن خرید کر پہنا دو اور نہ وسعت ہو تو چندہ کا کفن ڈال دو۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو معمولی کپڑوں میں جن میں مردہ مرا ہے انہی میں دفن کر دو۔ مجبوری کے وقت اس کی بھی اجازت ہے اور نماز جنازہ میں کچھ خرچ ہے ہی نہیں اور جو امام بدوں روپیہ لیے نماز جنازہ نہ پڑھائے (جیسا بنگال میں بعض لوگوں پر شامت سوار ہے) تو ان سے نماز پڑھوانے کی ضرورت ہی نہیں تم خود ہی چار دفعہ اللہ اکبر کہہ کر نماز پڑھ دو جنازہ کی نماز کی نیت نماز جنازہ اور چار تکبیریں ہی فرض ہیں اور باقی دعائیں سنت ہیں یاد نہ ہوں تو کچھ ضرورت نہیں۔

---

(۱) چھوارے کھانے کو ملیں اور ثواب مفت میں (۲) امیروں کے قبرستان میں (۳) غریبوں کے قبرستان میں۔

فاتحہ تیجہ، چالیسواں کے فضول ہونے کی دلیل

بس غمی میں نماز دفن کفن یہی چیزیں ضروری ہیں ان میں کچھ بھی خرچ نہیں باقی سب غیر ضروری ہیں جیسے فاتحہ دلوانا تیجہ دسواں چالیسواں کرنا چنانچہ طاعون و ہیضہ کے زمانہ میں یہ سب باتیں حذف ہوجاتی ہیں[1] اور نماز جنازہ وکفن دفن حذف نہیں ہوتا یہ خود اس کی دلیل ہے کہ ضروری ہیں اور وہ فضولیات ہیں میں نے ایک جگہ لوگوں سے طاعون کے بعد یہی سوال کیا تھا کہ تم نے اپنے مردوں کی فاتحہ اور تیجہ (دسواں بھی کیا تھا سب نے کہا اجی اس کی کیسے فرصت تھی میں نے کہا اور نماز وکفن دفن بھی کیا تھا کہا جی ہاں میں نے کہا کہ تم نے اپنے عمل سے خود بتلا دیا کہ یہ تو ضروری ہیں اور وہ غیر ضروری ہیں سب نے اقرار کیا کہ بات تو یہی ہے عام لوگ سچی بات کو جلدی سمجھ جاتے ہیں چنانچہ ایک گاؤں والے نے مجھ سے فاتحہ کی بابت سوال کیا تو میں نے کہا چوہدری جی تم نے کبھی اللہ کے نام پر کپڑا یا مسجد میں سوختہ[2] بھی دیا ہے کہا جی ہاں دیا ہے میں نے کہا کبھی اس پر بھی فاتحہ دی ہے کہا کبھی نہیں میں نے کہا پھر وہ بدون فاتحہ کیونکر قبول ہوگیا اور کھانا بدوں فاتحہ کے کیوں نہ قبول ہوگا یہ سن کر وہ ہنسا اور کہا او جی بس یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔

شریعت میں مہمانی بھی سستی ہے

معاشرت میں ایک چیز ضیافت ومہمانی ہے تو شریعت کی مہمانی بھی سستی ہے کہ اگر گھر میں کچھ ہو پکا دو جس حال میں میزبان ہو اسی حال میں مہمان رہے۔ چنانچہ ہمارے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک بار مولانا حکیم معین الدین صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان ہوئے حکیم صاحب کے یہاں اس دن فاقہ تھا (اور

(۱) یہ سب بدعتیں ختم ہوجاتی ہیں (۲) پانی گرم کرنے کے لیے حمام میں جلانے کے لیے لکڑیاں بھی دی ہیں۔

قرض کرنے کی ضرورت نہ تھی) تو انہوں نے مولانا سے صاف عرض کر دیا کہ میرے یہاں تو آج فاقہ ہے۔ ہاں یہاں بعض لوگ آپ کے معتقد چاہا کرتے ہیں کہ آپ کی دعوت کریں۔ اگر آپ فرمائیں تو ان کو اجازت دے دوں فرمایا میں تو تیرا مہمان ہوں جو تیرا حال ہے وہی میرا حال ہے کسی سے کچھ نہ کہو شام تک سب فاقہ سے رہے شام کو ایک مریض حکیم صاحب کے پاس آیا اور شکرانہ صحت میں غالباً گیارہ روپے دے گیا حکیم صاحب نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت اب خدا نے رزق بھیج دیا ہے اب میں ذرا تکلف کے کھانے پکواؤں گا۔ حضرت نے منع بھی کیا کہ تکلف نہ کرو مگر انہوں نے نہ مانا، اور کہا کہ دن بھر فاقہ رہا اب جو خدا نے دیا ہے تو کیا اب بھی عمدہ کھانے نہ کھائیں۔ صاحبو! یہ ہے شریعت کی مہمانی جس میں ذرا بھی بار نہیں ہم لوگ تکلف کر کے پریشان ہوتے ہیں کہ چند قسم کے کھانے پکاتے ہیں اور گھر میں وسعت نہ ہو تو محلّہ سے مختلف کھانے جمع کرتے ہیں پھر اس کو بلی کے گوہ کی طرح چھپاتے ہیں کہ مہمان کو خبر نہ ہو جائے کہ یہ سالن دوسرے گھر سے منگایا ہے۔ شریعت نے ان تکلفات کو مٹا دیا ہے، ہمارے یہاں انسپکٹر مہمان ہوئے مگر بندۂ خدا نے پہلے سے خبر نہ کی کہ میں بے مرچ کھانا کھاتا ہوں جب کھانا سامنے آ گیا تب کہا مگر اس وقت کیا ہو سکتا تھا، مگر اتفاق سے ایک عزیز کے یہاں کسی بیمار کے لیے بے مرچا کھانا پکا تھا گھر والوں نے وہاں سے ایک پیالہ سالن منگا لیا جب وہ دسترخوان پر آیا میں نے بھانڈا پھوڑ دیا کہ یہ دوسرے گھر سے منگایا گیا ہے ہمارے یہاں اس وقت انتظام نہ ہو سکتا تھا، گھر میں سے کہنے بھی لگیں کہ تم نے یہ بات کیوں ظاہر کی میں نے کہا اور کیوں ظاہر نہ کرتا دوسرے کے احسان کو چھپانے کی کیا ضرورت تھی اور یہ قصہ تو مولانا گنگوہی کا تھا جو اوپر مذکور ہوا اس سے عجیب ایک قصہ مولوی محمد صاحب وکیل الٰہ آبادی کا ہے یہ لفظ مولوی ان

کے نام کا جزو تھا میرے ایک دوست ان کے یہاں مہمان ہوئے تو وہ کہتے تھے کہ شام کو مغرب کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کے بچے خوشی میں یہ کہتے پھر رہے تھے کہ اہاہا جی ہمارے یہاں شیخ جی آئے یہ مہمان یہ سمجھے کہ شیخ جی کوئی بزرگ ہوں گے اور شاید ان کے واسطے کھانے میں تکلف ہورہا ہوگا جو کھانا اب تک نہیں آیا مگر جب عشاء کا وقت بھی ہوگیا تو مہمان نے ایک ملازم سے پوچھا کہ بھائی وہ شیخ جی کہاں ہیں۔ جس کی آمد سے بچے خوش ہورہے تھے وہ ہنسنے لگا اور کہا کہ وکیل صاحب کے گھر والے فاقہ کو شیخ جی کہتے ہیں کہ آج ان کے یہاں فاقہ ہے بچے اس کی خوشیاں منارہے تھے مہمان کو بڑا تعجب ہوا کہ اس شیخ نے بچوں کو بھی فاقہ سے مانوس کردیا ہے۔ رات بھر بچے بھی بھوکے رہے اور مہمان بھی۔ اب غور کیجئے کہ شریعت کے موافق مہمان داری کتنی بڑی راحت ہے۔

شریعت کا حکم استیذان بڑی راحت ہے

معاشرت میں شریعت کی ایک تعلیم یہ ہے کہ استیذان (۱) کا حکم دیا ہے کہ بدوں اجازت لیے کسی مکان کے اندر قدم نہ رکھو افسوس یورپ اس سے منتفع ہے اور ہم اس سے محروم ہوکر تکلیف میں ہیں۔ شریعت میں اس کا اس قدر اہتمام ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کے یہاں مدینہ سے قبا تشریف لے گئے جو دو تین میل کے فاصلہ پر ہے وہاں پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مکان پر تین دفعہ السلام علیکم ادخل (۲) فرمایا صحابی ہر دفعہ سلام کا جواب آہستہ دیتے رہے زور سے جواب نہ دیا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار سلام فرمائیں اور آپ کی دعا سے برکت حاصل ہو۔ تین بار سلام کرکے بھی جب اندر

(۱) اجازت لیکر گھر میں داخل ہونے کا حکم ہے (۱) السلام علیکم کیا میں اندر آجاؤ۔

سے اجازت کا جواب نہ آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ کی طرف لوٹ چلے۔ سبحان اللہ جن کی یہ شان ہو ۔

گر برسر وچشم من نشینی　　نازت بکشم کہ ناز نینی(۱)

وہ دو میل جیسے ہی آئے تھے ویسے ہی واپس چلے اور کسی قسم کا ملال وغیرہ کچھ نہ ظاہر کریں یہ ہے مساوات، رسول قانون پر عمل کرنے میں اپنے کو سب کے مساوی سمجھتے ہیں۔

مساوات شریعت

اور مساوات یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا اسمعوا واطیعوا ۔ سنو اور اطاعت کرو۔ اسی وقت ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا لا نسمع ولا نطیع نہ ہم سنتے ہیں اور نہ ہم اطاعت کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیوں، کہا یہ دو چادر جو آپ کے بدن پر ہیں مال غنیمت کی ہیں اور غنیمت میں سے ہر شخص کو ایک چادر ملی ہے آپ کے پاس دو کیوں ہیں کہ ایک کو آپ نے لنگی کی جگہ باندھا ہے ایک کو اوڑھ لیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے بھائی تم نے اپنے امیر کے ساتھ بدگمانی کرنے میں جلدی کی۔ اے عبداللہ بن عمر اپنے بھائی کے سوال کا جواب دو اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ آج امیر المؤمنین کے پاس جمعہ کی نماز کے واسطے کپڑے نہ تھے اس لیے میں نے چادر جو مجھے غنیمت سے ملی تھی امیر المؤمنین کو عاریۃً دے دی ہے۔ اس طرح ان کے پاس دو کپڑے جمع ہو گئے یہ سن کر وہ شخص رونے لگا اور کہا اما الآن فقل نسمع ونطیع لامیرنا۔ ہاں اب

(۱) ’’اگر تو میرے لیے سر اور آنکھوں پر بیٹھے تو تیرا ناز اٹھاؤں اس لیے کہ تو نازنین ہے‘‘۔

فرمائیں اب ہم اپنے امیر کی اطاعت کریں گے ان کے احکام کو سنیں گے۔ حضرات یہ ہے مساوات جس کی نظیر اسلام کے سوا کہیں نہ ملے گی جس کی حقیقت ہے کہ اتباع قوانین شریعت میں حاکم ومحکوم، غریب وامیر سب مساوی ہیں۔ مساوات کے یہ معنیٰ نہیں کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی کو یہ حکم دیں کہ تم مصر پر جاؤ اور تم ملک شام پر جاؤ، تو وہ جواب میں یہ کہے کہ ہم تم دونوں مساوی ہیں ہم ہی تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم چلے جاؤ۔ جو لوگ آج کل مساوات کے مدعی ہیں ان سے یہی صورت پیش کر کے سوال کرتا ہوں کہ کیا وہ ایسی مساوات کو جائز کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں پھر وہ کس منہ سے مساوات کے مدعی ہیں اگر تم بلا قید مساوات کے مدعی ہو تو پھر کسی حاکم کی اطاعت کسی محکوم پر لازم نہ ہونا چاہئے اور پارلیمنٹ کو بھی عام رعایا پر حکومت کا حق نہ ہونا چاہئے کیونکہ اگر شخصی حکومت مساوات کے خلاف ہے تو جماعت قلیلہ کا جماعت کثیرہ پر حکومت بھی مساوات کے خلاف ہے آج کل اہل مساوات کی بڑی دوڑ یہاں تک ہے کہ عورتوں کو ہم نے مردوں کے مساوی کر دیا۔ میں کہتا ہوں کہ پھر محکوم کو بھی حاکم کے مساوی کرنا چاہئے حاکم کو کیا حق ہے کہ وہ رعایا پر حکومت کرتا ہے اور باپ بیٹے میں اور شاگرد استاد میں بھی مساوات کرنا چاہئے۔ اور اگر ان میں فرق کرنا مساوات کے خلاف نہیں تو پھر شریعت نے جو مرد وعورت میں فرق کیا ہے وہ مساوات کے خلاف کیوں ہے ہاں کسی ملک کے مرد ہی زنانے ہوں تو ان کو عورتوں کے ساتھ مردوں کی مساوات مبارک ہو۔

اہل یورپ عورتوں کی مساوات سے تنگ ہیں

صاحبو! اخبار دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اہل یورپ عورتوں کی مساوات سے خود تنگ ہوگئے ہیں وہ تو اب کوشش میں ہیں کہ عورتوں کو پھر اصلی حالت پر

لائیں۔ تم خواہ مخواہ ان کی تقلید کر کے یورپین بننا چاہتے ہو وہ تو اب ایشیائی بننے کی فکر کر رہے ہیں۔ بہت اچھا اب تم یہ کرو کہ تم یورپ میں بسو! اور یورپ والے ایشیاء میں آجائیں۔

پرسکون زندگی صرف شریعت پر چلنے سے نصیب ہوگی

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یورپ کی تقلید ہی سے دنیا مل سکتی ہے یہ خیال بالکل غلط ہے واللہ تم شریعت پر چل کر بھی دنیا حاصل کر سکتے ہو بلکہ خوش گوار دنیا دین کے ساتھ میسر ہوتی ہے اور یہ دنیا دین کے ساتھ مثل سایہ کے ہے پرندہ کو پکڑلو سایہ اس کے ساتھ ساتھ، اور تنہا سایہ کو پکڑنا چاہو تو ممکن نہیں پس مسلمانوں کو تو شریعت سے الگ ہوکر دنیوی ترقی نصیب نہیں ہوسکتی۔ اور یہ نسخہ مجرب ہے حضرات صحابہ اس سے کامیاب ہو چکے ہیں اور ایسے کامیاب ہوئے ہیں کہ دنیا میں ان کی کامیابی کی نظیر نہیں مل سکتی پھر تم یورپ کی تقلید میں کیوں اپنے کو برباد کرتے ہو تمہاری بالکل یہ حالت ہے ؎

یک سبد پرنان ترا بر فرق سر   تو ہمی جوئی لب نان در بدر
تا بزانوئے میاں قعر آب   وزعطش وزجوع گشتی خراب (۱)

آپ کے پاس ترقی کے اسباب وذرائع سب سے زیاد موجود ہیں مگر اپنے گھر سے بے خبر ہوکر آپ دوسروں کے در پر گداگری کرتے ہیں خلاصہ یہ کہ شریعت کی یسر وسہولت (۲) کے یہ چند نمونے ہیں جو اس مختصر جلسہ میں اجمالاً ظاہر کئے گئے ہیں اس سے آپ کو بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا کہ مشقت وپریشانی میں پڑنا

(۱) ''ایک ٹوکرا روٹیوں کا تیرے سر پر رکھا ہے اور تو ایک روٹی کے ٹکرے کے لیے دربدر مارا پھرتا ہے زانو تک پانی میں کھڑا ہے اور بھوک اور پیاس سے خراب ہوتا ہے'' (۲) آسانی اور سہولت۔

مطلقاً مجاہدہ نہیں اور نہ اس میں مطلقاً ثواب ہے بلکہ شریعت نے ہم کو مشقت و پریشانی سے ہر طرح بچانا چاہا ہے۔ بس مجاہدہ وہ مشقت و پریشانی ہے جس میں ہمارے قصد و اختیار کو دخل نہ ہو۔

اہل سلوک کی چند غلطیاں

اب میں چند جملے اہل سلوک کے متعلق کہہ کر بیان کو ختم کرتا ہوں کیونکہ اہل سلوک اس غلطی میں زیادہ مبتلا ہیں کہ وہ ہر مشقت و پریشانی کو مجاہدہ سمجھتے ہیں۔ میں ان کو تنبیہ کرتا ہوں کہ اعمال ظاہرہ کی طرح اعمال باطنہ میں بھی یسر ہی مطلوب ہے عسر مطلوب (۱) نہیں مثلاً ذکر میں نیند غالب ہوگئی تو اول تو توجہ الی الذکر (۲) سے اس کو دفع کرو اگر دفع ہوگئی تو سمجھ لو کہ وہ نوم کاذب (۳) تھی اور دفع نہ ہو تو پڑ کر سو رہو اور مشقت برداشت کرکے نہ جاگو ورنہ مرض لگ جائے گا۔ حدیث میں حضرت زینبؓ کی رسی کا قصہ موجود ہے کہ انہوں نے اپنی نماز کی جگہ ایک رسی باندھ رکھی تھی کہ جب نیند کا غلبہ ہوتا اس سے سہارا لیتیں تاکہ نیند جاتی رہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کاٹ ڈالا اور فرمایا علیکم من الاعمال ماتطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا (۴) کام اتنا ہی کرو جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ تمہاری عبادت (ثواب دینے) سے نہیں گھبرائیں گے بلکہ تم ہی (مشقت سے) گھبرا جاؤ گے اور حضرت عبداللہ بن عمرو کا قصہ بھی موجود ہے کہ وہ راتوں کو نوافل پڑھتے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: قم ونم وصم وافطر ۔ کہ تہجد بھی پڑھو اور سویا بھی کرو اور روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ ایک بات تو اہل سلوک سے یہ کہنی تھی دوسرا مسئلہ یہ بتلانا ہے کہ اگر

(۱) آسانی ہی مطلوب ہے مشقت مطلوب نہیں (۲) ذکر کی طرف متوجہ ہوکر (۳) جھوٹ موٹ کی (۴) الصحیح لمسلم، صلوۃ المسافرین۔ باب: ۳۰۔

کوئی مشقت و پریشانی تم کو پیش آئے تو اس کو اپنے لیے عقوبت (١) ہی نہ سمجھو جب کہ قصد کو ان میں دخل نہ ہو بلکہ بے قصد و اختیار آئی ہو تو یہ خیال نہ کرو کہ ہم سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوئے اس لیے یہ عقوبت پیش آئی بلکہ اس کو یسر و رحمت سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (٢) کہ مشقت کے ساتھ یسر بھی ہے۔ رہا یہ کہ اس سے مراد عسر غیر اختیاری ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے اوپر جس عسر (٣) کا ذکر ہے وہ غیر اختیاری تھا چنانچہ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ (٤) الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (٥) میں عسر کا ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ثقل وحی وغیرہ کا تھا وہ غیر اختیاری تھا تو اس عسر کے متعلق ارشاد ہے کہ اس کے ساتھ یسر بھی ہے اور اس میں معیت یسر ظاہر ہے کیوں کہ اس سے رفع درجات و ترقی اجر ہوتا ہے پس ہر پریشانی اور ضیق و قبض وغیرہ کو عقوبت نہ سمجھو بلکہ اس کو رحمت سمجھو۔

تفویض کی ضرورت

ہمارے حاجی صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ کبھی لطف بصورت قہر ہوتا ہے اور کبھی قہر بصورت لطف ہوتا ہے۔ اس ارشاد کا حاصل یہی ہے کہ نہ لطف سے بے فکر ہو جاؤ۔ نہ صورت قہر سے مایوس ہو جاؤ بلکہ یہ سمجھو کہ شاید یہ رفع درجات کے لیے آیا ہو اور ساتھ میں توبہ و استغفار بھی کرتا رہے تاکہ اگر بالفرض کسی معصیت کی وجہ سے یہ صورت پیش آئی ہو تو اس کا بھی علاج ہو جائے۔ لیکن عقوبت ہونے کا یقین نہ کرے۔ بعض سالکین جن کو حالات و کیفیات کی طلب ہوتی ہے بعض دفعہ ان کو قبض پیش آتا ہے تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ بس ہم مردود ہو گئے یہ سخت غلطی ہے بعض نے اس حالت میں خودکشی تک کرلی ہے سو میں ان سے پوچھتا ہوں کہ سلب کیفیات (٦) کو تم نے کس دلیل سے قہر سمجھ لیا لطف حق عطائے کیفیات ہی میں

(١) سزا (٢) الانشراح:٩٤/٦ (٣) تنگی (٤) الانشراح:٩٤/٢ (٥) الانشراح:٩٤/٣ (٦) کیفیات کے نہ ہونے کو۔

منحصر نہیں بلکہ بعض دفعہ سلب کیفیات لطف ہوتا ہے تاکہ سالک کا عجب زائل ہوجائے اور بسط سے ناز نہ پیدا ہو بلکہ اس میں پستی پیدا ہوجائے اور پستی وہ چیز ہے۔

ہر کجا پستی ست آب آنجارود ہر کجا مشکل جواب آنجارود
ہر کجا دردے دوا آنجارود ہر کجا رنجے شفا آنجارود
فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ(۱)

اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک شخص کے کھیت میں پانی آرہا تھا اس نے ایک ٹیلہ قائم کرکے پانی روک دیا اور ٹیلہ اس لیے بنایا تاکہ اس پر بیٹھ کر تفریح کیا کرے۔ مگر اس نے یہ نہیں سوچا کہ اس ٹیلہ کی وجہ سے کھیت خشک ہوجائے گا حق تعالیٰ نے قبض طاری کرکے پانی کا راستہ کھول دیا اور اتنا زور کا ریلا آیا کہ ٹیلہ سب بہہ گیا اب یہ شخص تو ٹیلہ بہہ جانے سے روک رہا ہے مگر عارف خوش ہے کہ اب کھیت ہرا بھرا ہوجائے گا اور تھوڑی دیر کے بعد جب اس کو کھیت کا منظر نظر آئے گا تو یہ بھی خوش ہوکر یوں کہے گا ؎

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من(۲)

پس تم اپنی تجویز کو دخل نہ دو بلکہ اپنی تربیت کو خدا کے سپرد کرو تفویض سے کام لو کہ وہ جس طرح چاہیں تربیت کریں خواہ حالات وکیفیات عطا کرکے یا سب کو سلب کرکے

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند(۳)

(۱)''جس جگہ پستی (نیچا حصہ) ہوتا ہے اسی طرف پانی رواں ہوتا ہے جہاں مشکل پیش آتی ہے جواب وہیں دیا جاتا ہے۔ جہاں مرض ہوتا ہے اسی جگہ دوا کی جاتی ہے۔ جہاں مرض ہوتا ہے وہاں شفا آتی ہے۔ فہم وخاطر کا تیز کرنا راہ سلوک نہیں فضل الٰہی سوائے شکستہ دل کے اور کہیں متوجہ نہیں ہوتا'' (۲)''تیرا رنجیدہ کرنا مجھے اچھا لگتا ہے دل ایسے یار پر قربان جو دل کو رنجیدہ کرے'' (۳)''تو فقیروں کی طرح مزدوری کی شرط پر عبادت نہ کر کیونکہ اللہ تعالیٰ بندہ پروری کے طریق خود جانتے ہیں''۔

یعنی اتنا ثواب عطا فرماتے ہیں کہ بندہ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تفویض والا بڑی راحت میں ہے اس کو کسی حال میں پریشانی نہیں۔ اگر کسی وقت اس کو پریشانی بھی پیش آتی ہے تو اس میں راحت ہوتی ہے کیونکہ اس نے اپنے ارادہ کو فنا کر کے خدا تعالیٰ کی رضا میں اپنی رضا کو مدغم کر دیا ہے(۱) اب جو خدا کی مرضی ہے وہی اس کی مرضی ہے۔

حکایت حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ کیا حال ہے فرمایا اس شخص کا حال کیا پوچھتے ہو جس کی خواہش کے خلاف عالم میں کچھ نہیں ہوتا جو ہوتا ہے اس کے ارادہ کے موافق ہوتا ہے پوچھا یہ کیونکر؟ فرمایا یہ تو ظاہر ہے کہ دنیا میں خدا کے ارادہ کے خلاف کچھ نہیں ہوتا اور میرا وہی ارادہ ہے جو خدا کا ارادہ ہے تو میرے ارادہ کے خلاف بھی کچھ نہیں ہوتا۔ صاحبو! رنج وغم اور پریشانی کی حقیقت یہی ہے کہ خلاف ارادہ خلاف توقع کا ظہور ہو اور صاحب تفویض کا ارادہ وتوقع ہی کچھ نہیں ہوتا اس کا تو مذاق یہ ہے ؎

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست　　　کفر ست دریں مذہب خود بینی وخود رائی (۲)

اب اسے کا ہے کی پریشانی اور کس کا غم۔ غم تو اس سے خود پناہ مانگتا ہے۔

یہ تو ہر حال میں خوش رہتا ہے قبض ہو تو خوش، بسط (۳) ہو تو خوش اور کچھ بھی نہ ہو تو خوش اس وقت یہ بے دھڑک یوں کہتا ہے ؎

روزہا گر رفت گورو باک نیست　　　تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

ایام تلف ہونے پر حسرت نہ کرنا چاہئے اگر گئے بلا سے گئے عشق جو اصلی

---

(۱) خدا کی رضامندی میں اپنی رضامندی کو ملا دیا ہے (۲) ''اپنی رائے اور فکر کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں اس راہ میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے'' (۳) قبض وبسط تصوف کی دو اصطلاحیں ہیں۔

دوست ہے اور سب خرابیوں سے پاک وصاف ہے اس کا رہنا کافی ہے۔
اس شخص کو پوری راحت حاصل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تفویض وتقدیر(۱) کا مسئلہ اسی لیے تو ہم کو بتلایا ہے کہ پریشانی اور غم سے بچے رہیں۔ ذرا تفویض وتقدیر کے منکر تو کوئی نسخہ اس کے مقابلہ میں لائیں ہرگز نہیں لاسکتے۔ اب یہ دعویٰ ہر طرح ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو راحت میں رکھنا چاہتے ہیں، اعمال ظاہرہ میں بھی اور اعمال باطنہ میں بھی۔ مگر ایک بات ضروری ہے کہ تم تفویض وتوکل اس نیت سے اختیار نہ کرو کہ راحت حاصل ہوگی کیونکہ اس سے راحت تو بہرحال ہوگی مگر اس نیت سے ثواب باطل ہوجائے اور ممکن ہے اس نیت کی نحوست سے راحت بھی کم نصیب ہو۔

نیت رضائے حق

جیسے کسی شخص نے واعظ سے سنا تھا کہ ایک خرچ کرنے سے دس ملتے ہیں اس نے ایک روپیہ خیرات کردیا اور گھر میں بیٹھ گیا جب ایک دن گزرگیا اور دس نہ ملے تو میاں کو دست لگ گئے (یعنی دس مع شی زائد مل گئی کیونکہ دست میں تا زیادہ ہے) اس حالت میں ایک دن استنجے کے لیے کسی کھیت میں بیٹھا تھا۔ ڈھیلا جو اٹھایا تو اس کے نیچے ایک بٹوا ملا جس کے اندر دس روپے تھے بڑا خوش ہوا اور واعظ سے کہا کہ واقع تم نے سچ کہا تھا۔ کہ ایک کے دس ملتے ہیں مگر اس کے ساتھ مروڑے بھی بڑے غضب کے لگتے ہیں اب سے وعظ میں یہ بھی کہہ دیا کرو کہ مروڑوں کے بعد دس ملتے ہیں، تاکہ لوگوں کو دھوکہ نہ ہو۔ اس شخص کو مروڑے اس واسطے لگے کہ اس نے انفاق حقیقی نہ کیا تھا اس نے دس کی نیت سے انفاق کیا محض رضائے حق کا قصد نہ کیا پس تم تفویض میں نیت نہ کرنا۔ سبحان اللہ اہل اللہ کے

(۱) اپنے معاملات کو اللہ کے سپرد کرنے اور تقدیر کا اعتقاد رکھنے کا حکم ہے۔

مقامات اور مقالات بڑے ہی بلند ہیں کہ بلند پرواز بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ ایک بزرگ دوسرے بزرگ سے ملنے گئے جب قریب پہنچے تو ان کو خلوت میں یہ کہتے ہوئے سنا۔ اللھم انی اسئلك التفویص واعوذبك من لذة التفویض اے اللہ میں آپ سے مقام تفویض مانگتا ہوں اور لذت تفویض سے پناہ مانگتا ہوں یہ دعا سن کر دوسرے بزرگ حیران ہوگئے کہ اللہ اکبر اس شخص کا کیسا بلند مقام ہے اور یہ عارفین کا مقام ہے باقی ہم لوگوں کو عدم لذت سے رنج ہوتا ہے اس لیے ہم کو لذت کی دعا کا بھی مضائقہ نہیں لیکن نیت لذت کی نہ کرے۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ بیان کا یہ ہوا کہ جن امور میں تدبیر کا کچھ تعلق و دخل نہیں ان میں تو ابتدا ہی سے تفویض و تسلیم کرنا چاہئے اور جن میں تدبیر کو بھی کچھ دخل ہے وہاں تدبیر بھی کی جائے مگر نتائج و ثمرات تدبیر میں تفویض کی جائے یہ تجویز نہ کرے کہ میری تدبیر کا ثمرہ یہ ہونا چاہئے بلکہ خدا کے حوالہ کرے کہ وہ جو چاہیں ثمرہ مرتب کردیں میں اس پر راضی ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ پریشانی اور غم سے نجات رہے گی اور اس آیت سے جس کو میں نے تلاوت کیا تھا اس مضمون کا تعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنی اس نعمت کو بیان فرمایا ہے جو مراکب (۱) کے متعلق ہے کہ ہم نے تمہارے لیے مویشی پیدا کیے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور تاکہ وہ تمہارے بوجھ کو ایسے مقامات تک پہنچائیں جہاں پہنچنا بدوں سواری کے تم کو دشوار تھا۔ تو اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی راحت و آسانی کے سامان پر امتنان فرمایا ہے جس سے ثابت ہوا کہ راحت و آسانی بھی مطلوب ہے اور یہی اس بیان کا موضوع

(۱) سواریوں کے متعلق ہے۔

تھا۔ بس تعلق واضح ہے۔ اور گو یہ وعظ پہلے وعظ کا تتمہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے جس کی وجہ تمہید وعظ میں مذکور ہے مگر میں اس کا نام مستقل ہی رکھتا ہوں چنانچہ اس کا نام التیسیر للتسیر تجویز کرتا ہوں یعنی آسانی کرنا دین ودنیا کے سب کاموں کے چلانے میں۔ اب دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم کو فہم سلیم عطا فرمائیں اور عملی توفیق نصیب فرمائیں اور تمام پریشانیوں سے نجات دے کر اپنے ساتھ وابستہ کرلیں۔ آمین

وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمد وعلی اٰلہ واصحابہ
اجمعین واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

دفع اشکال

اور بزرگوں سے جو بعض اختیاری مشقتیں منقول ہیں وہ بطور تقرب وتعبد (۱) کے نہیں محض بطور معالجہ (۲) کے ہیں جس کی تجویز کے لیے مجتہد کا اجتہاد یا شیخ کی اجازت ضروری ہے (۳)۔

---

(۱) بطور عبادت اور برائے قرب الٰہی نہیں (۲) بطور علاج (۳) بزرگوں سے جو بعض مجاہدات منقول ہیں جو انہوں نے اپنے مریدین کو تعلیم فرمائے وہ بغرض علاج تھے لہٰذا خود سے علاج کے طور پر بھی مجاہدہ نہ کرے کیونکہ اس کے لیے مجتہد ہونا یا کسی مجتہد کی اجازت ضروری ہے۔

خلیل احمد تھانوی

۱۹/ جنوری ۲۰۱۸ء